یہ دونون سر آرتھر کانن ڈائل کے سراغ رسانی کے مشہور سلسلۂ افسانہ "شرلک ہومز" کے ناولون کے صاف، سلیس اور روان ترجمے ہیں، ان ناولون کے ترجمے پنجاب کے کسی دارالاشاعت کی طرف سے اس سے پہلے بھی شائع ہوچکے ہیں،

کلام ٹیگور، (حصہ اول) مترجمہ جناب ایم ضیاء الدین صاحب پروفیسر شانتی نکیتان بنگال، ناشر وشوابھارتی شانتی نکیتان بنگال، حجم ۱۲۰ صفحے، چھپائی ٹائپ میں، قیمت عہ؍

ہندوستانی زبان کے ادبی رسالون میں ٹیگور کے کلام کے ترجمے "ادب لطیف" کے ذیل میں عموماً نوجوان و نومشق ادیبوں کے قلم کی مشق کے طور پر آئے دن چھپتے رہتے ہیں، خوشی ہوئی کہ اب جناب ایم ضیاء الدین نے جنھیں شانتی نکیتان کے تعلق سے ٹیگور کی معیت میں رہنے کا اتفاق حاصل ہے، اس کا سنجیدہ اور مستند ترجمہ ہندوستانی زبان میں پیش کیا ہے، اور شانتی نکیتان کی علمی مجلس نے اسے شائع کیا ہے، ترجمہ براہ راست بنگالی زبان سے کیا گیا ہے، اس کے پہلے حصہ میں کل ۱۲۰ نظمیں ہیں، جو اکثر شانتی نکیتان میں گائی جاتی ہیں، ترجمہ میں ثقاہت، سادگی اور برجستگی پائی جاتی ہے، اگر ہر نظم کا عنوان بھی قائم کردیا جاتا تو مناسب ہوتا، مترجم نے دیباچہ میں ٹیگور کے سوانح اور کلام پر نظر ڈالی ہے، جس میں ٹیگور خاندان کے اسلامی تہذیب و معاشرت سے مانوس ہونے کو خاص طور پر دکھایا ہے، نیز ٹیگور کے کلام پر نقد کرتے ہوئے ان کی ان اصلاحوں کو پیش کیا ہے، جو انھون نے بنگالی زبان کی شاعری اور قواعد عروض و موسیقی میں کی ہیں، امید ہے کہ یہ مجموعہ ملک کے ادیبوں اور شاعرون میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا،

قوم کی فریاد، از جناب نظامی بدایونی، نظامی پریس بدایون، قیمت ۲؍

یہ مولانا حالی مرحوم کے مشہور دعائیہ قصیدہ کی تضمین ہے، جو ان کی صدسالہ برسی کی تقریب کے موقع پر پڑھی گئی، اور اچھی لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع کی گئی ہے،

"ر"

جلد ۳۷	ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۶ء	عدد ۲

مضامین

شذرات

افسوس کہ مولانا **خلیل الرحمن** صاحب، سابق ناظم ندوۃ العلماء نے ۴ر فروری ۱۹۳۶ء کی شب کو اپنے وطن سہارنپور میں اس دار فانی کو الوداع کہا، مولانائے مرحوم، مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری (محشی بخاری و تلمیذ مولانا شاہ محمد اسحق دہلوی) کے چشم و چراغ تھے، مولانا احمد علی مرحوم پچھلی صدی کے آخری دور میں ہندوستان کے ان باکمالوں میں تھے جن کی مسندِ درس سے علم دین کی شمع روشن تھی، اور تشنگانِ علم اس سرچشمہ سے سیراب ہونے کے لئے سیکڑوں میل کی منزلیں پا پیادہ طے کرکے وہاں تک پہنچتے تھے، مولانا خلیل الرحمن نے علم کے اسی گہوارہ میں آنکھ کھولی، اور اپنے والد ماجد کے دامنِ فیض میں تعلیم و تربیت پاکر فارغ التحصیل ہوئے،

مرحوم ندوۃ العلماء کے دور اول کے محسنین میں سے تھے، مولانا محمد علی مونگیریؒ ناظم ندوۃ العلماء کی معیت میں اس ملی و علمی خدمت میں شریک ہوئے، اور آخر تک رہے، مرحوم خوش خلق، متواضع، رحمدل، اور عزیزوں سے دلی محبت فرمانے والے تھے، اتفاق وقت کہ دار العلوم ندوۃ العلماء کی ہنگامہ خیز اسٹرائک کا واقعہ انہی کے دور نظامت میں پیش آیا تھا، اس نازک وقت اور ناسازگار حالات میں بھی مولانائے مرحوم دار العلوم کے طلبہ کے ساتھ جس عدیم المثال شفقت و محبت سے پیش آئے، اسکی یاد اس عہد کے فارغ التحصیل علمائے ندوہ کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے باقی رہ گئی، اور مدت گذرنے کے بعد انہیں جب کبھی مرحوم سے شرف ملاقات کا موقع حاصل ہوا انھوں نے ان کے دل کو شفقت و محبت سے لبریز پایا، ندوۃ العلماء کی خدمات انجام دینے کے علاوہ مرحوم کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ صحیح بخاری کے اس نادر نسخہ کی اشاعت ہے، جس پر ان کے والد ماجد کے حواشی ثبت ہیں، یہ نسخہ مدتوں عربی مدارس میں صحیح بخاری کے لئے واحد دار رہا ہے، مرحوم نے اسّی سال سے زیادہ عمر پائی، اگرچہ آخر عمر میں چراغِ سحری ہو کر گوشہ نشین

ہوگئے تھے، لیکن ان کے وجود گرامی سے ہندوستان کے پچھلے دور کی دینی تعلیم و تہذیب کی شمع روشن تھی، افسوس کہ وہ بھی گل ہوگئی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے اور انکے صاحبزادگان مولوی منظور النبی ندوی و مولوی عقیل الرحمن صاحب ندوی کو توفیق صبر عطا فرمائے،

ہم نے یہ خبر بھی دلی رنج و افسوس سے سنی کہ ۳ر فروری کو مولانا **راشد الخیری** نے اس دار فانی کو خیرباد کہا اور ہندوستان کا طبقۂ نسوان اپنے ایک بڑے معلم اور اپنے حقوق کے ایک بڑے محافظ سے، اور ہندوستانی زبان اپنے ایک بڑے محسن کی خدمات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئی، مرحوم شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کے عزیز قریب اور طرزِ تحریر میں ابتداءً ان کے پیرو تھے، مرحوم نے اپنی ادبی زندگی رسالہ مخزن کی ادارت سے وابستہ ہوکر شروع کی، پھر ۲۷ سال گذرے کہ عصمت کے نام سے ایک زنانہ رسالہ جاری کیا، اور ساری عمر طبقۂ نسوان میں بیداری پھیلانے اور انہیں تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کرنے میں گذار دی، ہندوستان کے طبقۂ نسوان کو بیدار کرنے کی خدمت دو بزرگوں شمس العلماء مولوی ممتاز علی (تہذیب نسواں) اور مولانا راشد الخیری (عصمت) نے انجام دی، افسوس کہ یہ دونوں ۶ ماہ کے اندر اندر ہم سے جدا ہوگئے، مولانا راشد الخیری کی تحریک نسوان کا یہ امتیازی وصف تھا کہ وہ حقوقِ نسوان کے سب سے بڑے حامی ہونے کے ساتھ شریعت اسلامی کے حدود کا پاس نگاہ میں رکھتے تھے، اور حقوق نسوان کے حامیوں کے اس گروہ کے سب سے بڑے مخالف تھے، جو عورتوں کو مغرب کی کورانہ تقلید کی طرف لیجانے والا ہے، وہ ہندوستانی زبان کے مشہور ادیب اور صاحب طرز انشاپرداز تھے، انہیں لال قلعہ کی پاکیزہ زبان لکھنے پر قدرت حاصل تھی، وہ انسانی درد و مصیبت اور معاشرتی زندگی کا خاکہ کھینچنے میں کمال رکھتے تھے، ان کی صبح زندگی وشام زندگی، ڈپٹی نذیر احمد کی توبۃ النصوح وغیرہ کے پہلو میں رکھے جانے کے قابل ہیں، اور بلاشبہہ ان کی کتابیں پڑھ کر آنسوؤں کا ضبط کر لینا دشوار ہے، خداوند تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کے پھول برسائے اور پسماندگان کو توفیق صبر دے، توقع ہے کہ ان کے خلف الصدق جناب رازق الخیری جو مرحوم کی زندگی ہی سے رسالہ عصمت کے مدیر ہیں، اور چھوٹے صاحبزادے جناب صادق الخیری جو ان کے ایک دوسرے زنانہ رسالہ جوہر نسوان کو چلا رہے ہیں، ان رسائل کو زندہ رکھیں گے، کہ یہ ان کی زندگی کی بہترین یادگاریں ہیں،

اس سال ہندوستانی اکیڈیمی، صوبہ متحدہ کی چوتھی ادبی کانفرنس کا اجلاس وسط ماہ جنوری میں الٰہ آباد میں منعقد ہوا، کانفرنس کا افتتاح، ہندوستانی زبان کے محسن رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو نے کیا، اس کے بعد صوبہ بہار کے سابق ہوم ممبر مسٹر سچدانند سنہا نے کانفرنس کا صدارتی خطبہ اجنبی زبان انگریزی میں پڑھا، اور اسکی توجیہ میں جو کچھ انھون نے کہا اس میں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ موصوف نے جنھوں نے کبھی بہار کونسل میں ہندی زبان کے پہلو بہ پہلو اردو زبان کو عدالتوں میں آزمایشی طور پر بھی رواج دینے کی سخت مخالفت کی تھی اب اردو کو ہندی زبان کے ہم رتبہ تسلیم کر لیا ہے،

اجلاس کے شعبۂ اردو کی صدارت مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے کی، موصوف نے اپنے خطبہ میں پچھلی صدی میں اردو کی ترقی کے چار اہم مرکز فورٹ ولیم کالج کلکتہ، دہلی کالج، سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ اور اورینٹل کالج لاہور کی خدمات کو سراہا، پھر خطبہ میں سر سید، مولانا حالی، نذیر احمد، آزاد، اور شرر کا ذکر آیا ہے، اس کے بعد موصوف نے ملک کے موجودہ علمی ادارون کے "الٹل پچو" کام کرنے پر افسوس کر کے اپنے عہد نظامت کی ترقی یافتہ انجمن ترقی اردو کے طریق کارکو پیش کر کے اصول کے ماتحت کام کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے، اگر اردو کی پچھلی اور موجودہ ترقیوں کے ضمن میں ذکر نہیں آیا تو اس شخصیت کا جس نے اس قابل مثال انجمن ترقی اردو کی بنیاد ڈالی اور جسے اس کا ناظم اول مقرر کیا گیا، اور اسکی وفات کے بعد بھی اس کی یادگار میں ایک مجلس اپنی بساط کے مطابق مصروف عمل ہے، شاید مولوی صاحب کی نظر میں یہ بھی وہی ادارہ ہو جس نے ابتک "الٹل پچو" کام انجام دیئے ہیں، شعبۂ اردو میں تقریباً ۱۰-۲۰ ممتاز اہل علم نے مختلف موضوعون پر اپنے مضامین پڑھے، ان میں سے "ہندوستان کی تربیت جدید میں اردو شاعری کا حصہ" (جناب سیماب اکبر آبادی) "شاہ دولہ" (جناب سید حسن برنی) "دور سلطانی کے امراء" (ڈاکٹر بنارسی پرشاد سکسینہ) "اردو شاعری کے جدید انتخابات کی ضرورت" (مولانا عبدالسلام ندوی) "اردو کا واعظ شاعر" (مولانا عبدالماجد دریابادی) "اردو کے اعراب" (مولوی نعیم الرحمن) "اردو قواعد" (ڈاکٹر زبید احمد) اور "دکن کی اردو شاعری عہد آصفی میں" (ڈاکٹر سید محی الدین قادری) وغیرہ مضامین قابل ذکر ہیں،

فروری ۱۹۳۶ء
جلد نمبر ۳۷

مقالات

تاج محل اور لال قلعہ کے معمار

یہ مقالہ ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس میں پڑھا گیا، اب مزید نئے معلومات کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے،

ہندوستان کے ارباب کمال میں خدا جانے کتنی ہستیان ہیں جو گمنامی کے پردہ میں اس طرح چھپی ہیں کہ آج ہزار تلاش اور جستجو پر بھی ان کا سراغ نہیں لگتا، اس ملک میں تاریخ نویسی کا رواج بہت کم تھا، گو مسلمانون کے آنے کے بعد تاریخ کی کچھ کچھ روشنی یہان پھیلنے لگی، پھر بھی بادشاہون کے ایوان تاریخ سے باہر بدستور اندھیرا چھایا رہا، شاعرون نے البتہ اپنے تذکرون کی محفل میں شمع جلائی، مگر اس کی روشنی اتنی مدہم ہے کہ خود ان کی صورتیں بھی اس سے پہچان میں اچھی طرح نہیں آتیں، روحانی بزرگون کے مزارون پر بھی چراغ جلائے گئے ہین، مگر ان سے بھی تبرکات اور کرامات کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا، اگر ملا بدایونی، شاہ عبدالحق دہلوی اور آزاد بلگرامی نہ ہوتے تو جو کچھ بھی معلوم ہے وہ بھی ہم کو معلوم نہ ہو سکتا،

لاہور کے جس مہندس خاندان کا حال آج ہم کو سنانا ہے، افسوس ہے کہ تاریخون میں نام کے سوا اس کے کسی رکن کا حال بھی مجھ کو معلوم نہین ہوا، حالانکہ ان کی بنائی ہوئی عمارتین تاج آگرہ، لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی ہمیشہ سے مشہور روزگار رہین، مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ جن باکمالون نے فن کی ندرت کا یہ کمال دکھایا ہے، کاغذ کے پرانے اوراق میں بھی ان کا نام و نشان نہیں ملتا،

شاہجہان کی تاریخوں میں اس کے سال ششم میں، روضۂ تاج محل کے بننے کا پورا حال ایک ایک چیز کی پیمایش کے ساتھ لکھا ہے، مگر جن نادرہ کار مہندسوں، نقاشوں اور طراحوں نے اس کا خاکہ کھینچا، اور جن معماروں نے ان کو بنا کر تیار کیا، ان غریبوں کے نام تک بھی ان اوراق میں جگہ نہ پا سکے، اور آج کل کے محققین بڑی چھان بین کے بعد بھی ان کا پتہ لگانے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے،

اس خاندان کے بعض ارکان کے نام مصنف کی حیثیت سے بعض کتبخانوں کی فہرستوں میں مذکور ہیں، مگر ان میں بھی نام کے سوا کچھ اور نہیں، اور نہ ان افراد کے باہمی تعلق کا ذکر ہے، بلکہ ان کی حیثیت بیگانہ افراد انسانی کی ہے،

دیوان مہندس کا نسخہ | پورے دو[2] برس ہوئے کہ ایک کرمفرمانے بنگلور سے مجھ کو اطلاع دی کہ ان کے پاس مہندس نام ایک شاعر کا فارسی دیوان ہے اور دریافت کیا کہ کیا آپ اس شاعر سے واقف ہیں، میں نے لکھا کہ آپ وہ نسخہ مجھے بھیجدیں تو میں اپنی رائے ظاہر کروں، موصوف نے بڑی مہربانی فرما کر نسخہ زیر ذکر میرے پاس بھیجدیا، میں نے اس شخص کی تلاش میں اکثر تذکرے دیکھے، لیکن کہیں کچھ پتہ نہ چلا، مگر خوش قسمتی سے خود اس دیوان میں شاعر کی ایک مثنوی مل گئی، جس میں اس نے اپنے خاندان کا مختصر حال خود لکھا ہے، اسکو پڑھ کر میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی کہ یہ معماروں اور انجینیروں کی طرف سے پہلی آواز تھی، جس میں تاج اور لال قلعہ کے بنانے کا دعویٰ کیا گیا تھا،

اس مثنوی سے نہ صرف شاعر کی، بلکہ شاعر کے باپ اور بھائیوں کے حالات بھی معلوم ہوئے اور اس کے دوسرے قصائد اور اشعار سے یہ بھی قیاس میں آیا کہ اس باکمال خاندان کی گمنامی کا سبب کیا ہو سکتا ہے،

شاعر کا نام لطف اللہ اور تخلص مہندس ہے، مہندس کے معنی علم ہندسہ جاننے والے یعنی انجنیر کے ہیں، اور اس کا یہ دیوان، چند قصیدوں، بعض مثنویوں اور بہت سی غزلوں پر مشتمل ہے اور یہ سب فارسی میں ہیں،

[1] بعض تذکروں میں مہندس کے بیٹے، یا منی کے ضمن میں مہندس کا نام مذکور ہے، (س)

دیوان کا کوئی دوسرا نسخہ مجھے نہیں ملا، زیر نظر نسخہ چھوٹی تقطیع کے ۹۶ صفحوں پر حاوی ہے، دیوان کے حصۂ غزل کے خاتمہ تاریخ اتمام "۲۰ شہر ذی الحجہ سنہ ۴۷ بوقت شب تحریر یافت" لکھا ہے، اور دیوان کے خاتمہ پر اس کتاب کی خریداری کی تاریخ لکھی ہے:-

"بتاریخ بستم رمضان المبارک سنہ ۱۱۵۰ھ دیوان مہندس خریدہ شد بسرکار نواب ابراہیم خان بہادر"

اور کتاب کے اندر بعض تاریخی قطعات ہیں، جن میں سب سے آخری تاریخ سنہ ۱۰۶۶ھ کی ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر یہ "۲۰ شہر ذی الحجہ سنہ ۴۷"، ہجری سنہ ہے تو وہ یقیناً ۱۱۴۷ھ ہے، ورنہ میرا شبہہ اس بنا پر کہ یہاں صرف سنہ ۴۷ لکھا ہے، اور سیکڑہ نہیں لکھا ہے، یہ ہوتا ہے کہ یہ سنہ ہجری نہیں بلکہ سنہ جلوس ہے، اب سنہ ۱۰۶۶ کے بعد اور سنہ ۱۱۵۰ھ کے بیچ میں ایسا بادشاہ جس کو جلوس کا سینتالیسواں سال نصیب ہوا ہو اور نگزیب عالمگیر کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، سنہ ۴۷ جلوس عالمگیری سنہ ۱۱۱۵ھ کے مطابق ہے،

اس نسخہ کے صفحۂ اول پر عمدہ جلی نستعلیق سے "این کتاب سر(کار) نواب بہادر . . ." لکھا ہے، باقی حروف کٹ گئے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نسخہ کی تقطیع پہلے بڑی تھی، جلد بندی کے وقت کچھ حاشیہ کاٹ دیا گیا ہے، اس کے نیچے "این کتاب سرکار نواب ابراہیم خان بہادر ہزبر جنگ بکتاب خانہ (بکتاب خانہ؟) داخل شد" اس پر ایک مہر بھی تھی جو کسی نے مٹادی ہے،

شاعر کا نام لطف اللہ اور تخلص مہندس سن چکے، اور وہ اپنے باپ کا نام احمد معمار بتاتا ہے، معمار احمد کا پیشہ ہے، نام کا جزء نہیں، اس کے ایک قطعہ میں اس کا شاہی لقب "نادر العصر" مذکور ہے، اس شاعر کی بعض اور تحریریں بھی ہم کو دستیاب ہوئی ہیں جن میں وہ اپنے باپ کو لزوماً "استاد احمد لاہوری" لکھا کرتا ہے، اب ان ٹکڑوں کے جوڑنے سے احمد کا پورا نام ولقب "نادر العصر استاد احمد لاہوری" ثابت ہوتا ہے،

نادر العصر استاد احمد لاہوری | اس نادر العصر کے حالات کا سراغ تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتا، البتہ قلعۂ دہلی کی تعمیر کے سلسلہ میں مورخوں نے کہیں کہیں اس کا نام لیا ہے، محمد صالح کنبوہ نے عمل صالح میں جو شاہجہان

کی معاصر تاریخ ہے، شاہجہان آباد کے عمارات و قلعہ کی تعمیر کے بیان میں اسکا نام ان لفظوں میں لیا ہے،

"از شب جمعہ بست و پنجم ذی حجہ مطابق نہم اردی بہشت سال دوازدہم از جلوس اقدس مطابق یکہزار و چہل و ہشت[1] ہجری در زمان محمود و آوان مسعود استاد احمد و حامد[2] سرآمد معماران نادرہ کار بسرکاری غیرت خان صوبہ دار آنجا و صاحب اہتمام این کار مطابق طرح بدیع و نقشے تازہ کہ بہیچ وجہ نظیر آں در نشش جہت دنیا بہ نظر نظارگیان نیامدہ بود از نو ریختہ" (جلد ۳ ص ۲۵، کلکتہ)

مدرسۂ دیوبند کے کتبخانہ میں ایک قلمی کتاب تاریخ شاہجہان کے نام سے ہے، جس کا نمبر ۳۴۴۳ ہے؛ اس میں چند صفحے باب قلعۂ شاہجہاں آباد کے عنوان سے شاہجہان آباد اور شالامار باغ کی تعمیر کے حالات میں ہیں، اس سلسلہ میں حسب ذیل عبارت ہے :۔

"بحکم اشرف بعد از پنج ساعت از شب جمعہ بست و پنجم ذی الحجہ مطابق اردی بہشت سال دوازدہم از جلوس اقدس شاہجہانی موافق سنہ ہزار و چہل و ہشت ہجری کہ مختار دانشوران انجم و افلاک بود، استاد احمد و استاد حامد کہ معماران ماہر بودند و در کار عمارت سرآمد بسرکاری غیرت خان برادر زادہ عبد اللہ خان فیروز جنگ کہ ناظم صوبہ دہلی و اہتمام تاسیس عمارت مذکور باو مفوض شد مطابق طرحے کہ در پیشگاہ خلافت مقرر گشتہ بود ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

شاہجہانی و عالمگیری عہد کے امراء کے خطوط کا ایک ناقص اور بے نام و نشان پرانا مجموعہ[3] ہے، اس کے ایک خط میں نواب جعفر خان کو سرائے باغ اور قلعہ حسن ابدال کی تعمیر کے متعلق کچھ لکھا گیا ہے، اس سلسلہ میں

[1] اس مطبوعہ نسخہ میں جسکی تصحیح ناظم آثار قدیمہ سرکار نظام مولوی غلام یزدانی صاحب نے کی ہے یہ سنہ لفظوں میں چہل و ہشت کے بجائے ہشتاد و چہل چھپ گیا ہے جو قابل تصحیح ہے، [2] اسی طرح یہ بھی تعجب انگیز ہے کہ اس مطبوعہ نسخہ میں حامد کا نام حذف ہوگیا، متعدد قلمی نسخے دیکھے سب میں احمد کیساتھ حامد کا نام بھی ہے، کتبخانہ حبیب گنج کے نسخہ ۱۳۳ کی عبارت یہ ہے، "موافق ۱۰۴۸ھ در زمان محمود و آوان مسعود استاد احمد و حامد سرآمد معماران نادرہ کار ۔ ۔ ۔ مطابق طرح تازہ و نقشے بدیع" ورق ۶۰، [3] یہ مجموعہ مولوی عبد اللہ صاحب چغتائی (اسلامیہ کالج لاہور) کی ملک میں ہے۔

استاد احمد معمار کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے :۔

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بدرگاہ سلاطین سجدہ گاہ معروض داشتہ حقیقت حسن سلوک و کاردانی محمد مومن مذکور و استاد احمد معمار کہ در طراحی و وقوف کار عمارت و معاملہ شناسی استعداد تمام و دستی بکمال دارد"

عمدۃ الملک نواب جعفر خان، مختلف مناصب جلیلہ کے بعد ۱۹ سنہ جلوس شاہجہانی مطابق ۱۰۵۵ھ میں پنجاب کا صوبہ دار، ۳۱ سنہ جلوس شاہجہانی مطابق ۱۰۶۷ھ میں شاہجہان کا وزیر، اور ۱۰۷۴ھ میں عالمگیر کا وزیر ہوا، اور ۱۰۸۱ھ میں وفات پائی، یہ خط غالباً پنجاب کی صوبہ داری یا وزارت کے عہد میں اس کو لکھا گیا ہوگا، کیونکہ جیسا آگے معلوم ہوگا اس کے دو ہی برس بعد ۱۰۵۹ھ میں احمد وفات پا چکا تھا،

سرسید مرحوم نے اپنی قابل قدر تصنیف آثار الصنادید میں استاد احمد اور حامد کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے، کہ "یہ اپنے فن میں "بے نظیر" اور ہندسہ و ہیئت میں ثانی اقلیدس اور رشک ارشمیدس تھے"،

بہرحال ان حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ استاد احمد عہد شاہجہانی میں "سرآمد معماران نادرہ کار" تھا، اور اس کو عمارتوں کا نقشہ اور خاکہ بنانے اور تعمیرات کے دوسرے کاموں میں کمال دستگاہ حاصل تھی،

تاج محل کے حالات میں بعہد انگریزی آگرہ میں ایک فارسی رسالہ خدا جانے کس نے لکھا ہے، اس کے قلمی نسخے عموماً ملتے ہیں، اس میں حالات کے ساتھ ساتھ عمارات کی تصویریں بھی ہیں، شروع میں ممتاز محل کی وفات کی افسانہ نما کیفیت لکھی گئی ہے، اور پھر اس میں تاج محل کی تعمیر کا ایک ایک خرچ اور اس کے ایک ایک پتھر کی قیمت، اور اس کے ایک ایک کاریگر کے نام مع تعین تنخواہ لکھے ہیں، جو زیادہ تر سنی سنائی حکایتوں اور فرضی اعداد پر مشتمل معلوم ہوتا ہے، اس رسالہ میں کاریگروں میں سب سے پہلا نام "استاد عیسیٰ نادر العصر نقشہ نویس ساکن روم" لکھا ہے، اس کتاب کے مختلف نسخے دیکھے اور سب میں ناموں کا کچھ نہ کچھ اختلاف پایا، اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس میں ہندو کاریگروں تک کو ساکن روم و بلخ و قندھار و سمرقند لکھا ہے، جامعہ علی گڈھ

حیدرآباد، بھوپال، ندوہ اور دارالمصنفین کے کتبخانوں کے نسخوں میں اور ان کے علاوہ اور بھی اس کے جو نسخے نظر سے گذرے ان میں بھی یہ شعر گرگی موجود ہے، "استاد نادر العصر" تک تو نام صحیح ہے، جو اسی احمد معمار کا شاہی لقب تھا، مگر اس میں "عیسیٰ نقشہ نویس ساکن روم" کا نام اضافہ ہو یا یہ کہ "استاد نادر العصر" اور "عیسیٰ ساکن روم" دو نام ہیں، جو ایک میں مل گئے ہیں، اس کتاب تاج میں امانت خان شیرازی کے سوا جس کا ذکر تاریخوں اور تذکروں کے علاوہ خود تاج کے کتبوں میں ہے، جن کاریگروں کی فہرست دی گئی ہے، اور جو تنخواہیں لکھی گئی ہیں، وہ تمام تر محتاج ثبوت ہیں، لیکن تعجب ہے کہ تاج کے مورخین حال نے ان کو بیچون وچرا تسلیم کر لیا ہے، بہرحال تاج کے معماروں میں سے جو نام اب سب سے زیادہ اہم سند رکھتا ہے، وہ یہی نادر العصر استاد احمد ہے، جس کا نام اس مضمون میں سب سے پہلی دفعہ پیش کیا جا رہا ہے،

لطف اللہ کے بیان سے اس کے باپ احمد کے کچھ اور حالات بھی معلوم ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ احمد معمار آجکل کا کوئی اناڑی راج نہ تھا، بلکہ وہ باقاعدہ ہندسہ (انجینیرنگ) ہیئت اور ریاضیات کا بہت بڑا عالم تھا، یونانی ریاضیات فلکی کی سب سے اونچی کتاب مجسطی کا ماہر تھا، اور اقلیدس میں خواجہ نصیر طوسی کی مشہور کتاب تحریر اقلیدس کا عالم تھا، لطف اللہ ایک مثنوی میں اپنے خاندانی حالات کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے،

شاہجہاں داور گیتی ستاں   روشنی دودۂ صاحب قراں
عرش بریں قبۂ خرگاہِ اوست   رشکِ فلک سدۂ درگاہِ اوست
احمد معمار کہ در فنِ خویش   صد قدم از اہل ہنر بود بیش
واقفِ تحریر و مقالاتِ آں   آگہِ اشکال و حوالاتِ آں
حال کواکب شدہ معلومِ او   سرِ مجسطی شدہ مفہومِ او
از طرفِ داور گردوں جناب   نادر عصر آمدہ اورا خطاب
بود عمارت گرِ آں بادشاہ   داشت دراں حضرتِ فرخندہ رأ

ان اشعار سے نادر العصر احمد معمار شاہجہانی کے فضل وکمال کا پورا اظہار ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہجہان کا مشہور عمارت گر تھا، اب اس کے بعد وہ اشعار آتے ہیں جن میں اس عظیم الشان حقیقت کا انکشاف ہے، جو اب تک مستور و مخفی تھی، یعنی یہ کہ یہی وہ ممتاز ہستی ہے، جس نے ممتاز محل کا روضہ اور دہلی کا لال قلعہ تعمیر کیا، کہتا ہے،

آگرہ چو شد مضرب رایاتِ شاہ   بس کہ برو بود عنایاتِ شاہ
کرد بحکمِ شہِ کشور کشا   روضۂ ممتاز محل را بنا
باز بحکمِ شہِ انجم سپاہ   شاہجہاں داورِ گیتی پناہ
قلعۂ دہلی کہ ندارد نظیر   کرد بنا احمدِ روشن ضمیر

ان دو کے علاوہ عہد شاہجہانی کی دوسری عمارتیں بھی اس نے بنائی تھیں، چنانچہ کہتا ہے،

ایں دو عمارت کہ بیاں کردہ ام   در صفتش خامہ رواں کردہ ام
یک ہنر از گنجِ ہنرہائے اوست   یک گہر از کانِ گہرہائے اوست

اسکے بعد اس کی وفات کا ذکر کیا ہے،

چوں نبود عالمِ فانی مقر   کرد سوئے عالمِ باقی سفر

اس مثنوی کے شروع میں شاہجہاں کا ذکر زمانۂ موجودہ میں کیا گیا ہے،

عرشِ بریں قبۂ خرگاہِ اوست   رشکِ فلک سدۂ درگاہِ اوست

اس سے ظاہر ہے کہ یہ مثنوی شاہجہان کی زندگی میں لکھی گئی ہے، اور اسی کے عہد میں تاج محل اور قلعۂ دہلی کی تعمیر کا یہ دعویٰ کیا گیا ہے، اس سے زیادہ ثبوت اور کیا درکار ہے،

استاد حامد استاد احمد کے ساتھ اس کے بھائی استاد حامد کا نام بھی ذکر کے قابل ہے، یہ بھی معماری، ہندسہ اور دیگر علوم ریاضی میں سر برآوردہ تھا، اور قلعہ کی تعمیر میں احمد کا شریک تھا، سر سید مرحوم اپنی قابل قدر

کتاب آثار الصنادید میں قلعۂ شاہجہانی کے بیان میں لکھتے ہیں کہ

"اچھی سے اچھی ساعت دیکھ کر استاد حامد اور استاد احمد معماروں نے کہ اپنے فن میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، اور ہندسہ وہیئت میں ثانی اقلیدس، اور رشک ارزمیدس تھے، اس قلعہ کی بنا ڈالی، (طبع اول ص۳۰ باب دوم)

طبع دوم میں بھی عبارت ان لفظوں میں ہے،

"استاد حامد اور استاد احمد جو اپنے فن میں یکتا تھے، اس قلعہ کو بنواتے تھے، (طبع دوم نامی پریس ص۲۸)

دہلی کے بڑے بوڑھوں کی زبانی یہ روایت مجھ تک پہنچی ہے کہ جامع مسجد دہلی بھی اسی استاد حامد نے جس کا مشہور نام "استا حامد" ہے، بنائی ہے، اور اس کے بنانے میں اس کا دوسرا شریک "استا ہیرا" تھا، استاد حامد کا نام قلعۂ دہلی کے بعد جو ۱۰۵۸ھ میں بنا، مانڈو کے ایک سیاحتی کتبہ میں جس کی تاریخ ۱۰۶۳ھ ہے، جیسا کہ آگے آئیگا، لکھا ہوا ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ تک زندہ تھا، دہلی کے ایک قدیم معزز خاندان کے ایک واقف کار (سید مرتضیٰ علی صاحب ہیڈ کلرک دفتر کمانڈران چیف دہلی) کی زبانی مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ استاد حامد اور استاد احمد دونوں بھائی تھے، استاد حامد کے نام سے "کوچہ استا حامد"[1] دہلی میں اب تک دریبہ اور جامع مسجد کے درمیان موجود ہے، اور ان کی اولاد دہلی میں سکونت پذیر ہے، اور لاہور والے کہلاتے ہیں، اور آجکل وہ سادہ کاری کا کام کرتے ہیں، الغرض یہی وہ دو کاریگر ہیں جنھوں نے قلعۂ دہلی اور اس کے حیرت انگیز عمارات دیوان عام و دیوان خاص غسلخانہ اور دوسرے محلات شاہی بنائے، اس تعمیر میں ایک تیسرا نام احمد کے بیٹے لطف اللہ کا شامل ہے، جس کا ذکر آگے آئیگا،

استاد احمد کی تاریخ وفات

اس دیوان کے آخر میں، استاد احمد معمار کی وفات کی دو تاریخیں بھی درج ہیں،

(۱)

در زمانِ سعید شاہجہان　　شاہ عالم پناہ جم مقدار

[1] اب کوچہ استا حامد،

نادر العصر رفت و گفت خرد　　شد بفردوس احمد معمار

(۲)

آں نادر عصر زینتِ دہر　　چوں رفت بسوئے ملک سرمد

تاریخ وفات او خرد گفت　　محمود العاقبت شد احمد

ان دونوں قطعوں کے ہر چوتھے مصرع سے ۱۰۵۹ھ کے اعداد نکلتے ہیں، روضہ کی تعمیر ۱۰۵۰ھ میں یعنی احمد کی وفات سے نو برس پیشتر ختم ہو چکی تھی، اور دہلی کا قلعہ ۱۰۴۸ھ سے شروع ہو کر احمد کی وفات سے ایک سال پہلے ۱۰۵۸ھ میں تکمیل پایا تھا، ممکن ہے کہ استاد احمد روضہ کو ختم کرکے قلعہ کی تعمیر میں شامل ہوا ہو، یا روضہ کا اصلی تعمیری کام ختم کرکے شروع ہی سے قلعہ کی تعمیر میں مصروف ہوا ہو،

استاد احمد نے ان تعمیری یادگاروں کے علاوہ اپنی تین جسمانی یادگاریں بھی چھوڑیں، اور ان کو بھی تعمیر و ہندسہ و ریاضیات کی بہترین تعلیم دی، اور غالباً اس کے پیش نظر یہ چیز تھی کہ ریاضیات کی اعلیٰ درجہ کی جو کتابیں اب تک صرف عربی زبان میں ہیں، ان کو فارسی میں منتقل کیا جائے، تاکہ وہ علوم فارسی دانوں کی دسترس میں آسکیں، چنانچہ ۱۰۵۱ھ میں یعنی جس سال روضہ تمام ہوا ہے، اور قلعۂ دہلی کی تعمیر جاری تھی، اس نے اپنے منجھلے بیٹے لطف اللہ کو عبد الرحمان صوفی کی صور الکواکب کے ترجمہ کا حکم دیا،

احمد معمار کی تین اولادیں

لطف اللہ کی جس مثنوی کے کچھ ابتدائی اشعار اوپر نقل کئے گئے ہیں، اس میں احمد معمار کی وفات کے ذکر کے بعد اس کے ان تین باکمال فرزندوں کے نام لئے گئے ہیں،

بس سہ پسر ماند زمرد سترگ　　زاں سہ عطاء اللہ رشیدی بزرگ

دیوان کے اس نسخہ میں رشیدی کی جگہ کاتب نے "رشد" لکھا ہے، مگر اس کی تصنیفات میں اس کے نام کے ساتھ "رشیدی" لکھا ملتا ہے، اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ اسی لفظ کو اسی طرح پڑھنے سے شعر صحیح ہو سکتا ہے،

پھر عطاء اللہ کی تعریف میں کہتا ہے،

نادرِ عصر خود و مشہورِ شہر عالم و علامہ و دانائے دہر

مرد ہنر پرور و استادِ فن فاضل و دانشور و حبرِ زمن

مخزنِ علم آمدہ تالیفِ او گنجِ ہنرہاست تصانیفِ او

نثر وی از آبِ روان پاک تر نظمِ خوشش غیرتِ سلکِ گہر

اس آخری شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عطاء اللہ شاعر بھی تھا، اور غالباً اس کے نام کے بعد رشیدی اس کا تخلص ہے، اس کے بعد شاعر یہ بیان کرتا ہے کہ اس نے تمامتر اپنے اسی بڑے بھائی سے تعلیم پائی،

منکہ سخن پرور و دانش ورم بندۂ آں حبرِ سخن پرورم

منکہ ربودم زجہان گوے علم از چمنش یافتہ ام بوے علم

منکہ شدم آگہِ سرِّ نہاں از دمِ او یافتہ ام قوتِ جاں

اس کے بعد لطف اللہ اپنے کو احمد معمار کا منجھلا بیٹا بتاتا ہے اور اپنی تعریف آپ کرتا ہے،

ثانیِ آں ہر سہ برادر منم ہندسہ یک فن بود از صد فنم

گرچہ مہندس لقبم از شہ است نامِ منِ دل شدہ لطف اللہ است

لطف اللہ اپنا نام اور مہندس شاہی خطاب بتاتا ہے، اور یہی اس کا تخلص بھی ہے، اس کے بعد اپنے سب سے چھوٹے بھائی نور اللہ کا نام لیتا ہے،

ثالثِ آں ہر سہ بہادر بسال آمدہ نور اللہ صاحب کمال

پھر کہتا ہے کہ ہم تینوں بھائی معمار اور انجنیر ہیں،

ماہمہ معمار و عمارت گریم ماہمہ استاد و سخن پروریم

اس کے بعد اپنے چھوٹے بھائی نور اللہ کی نظم و نثر کی تعریف کرتا ہے، اور تعمیری مہاراتِ فن کی بنا پر معمار کا موروثی لقب اسی کے لئے مخصوص کرتا ہے،

لیک بود قصرِ کلامش عجب زاں شدہ معمار مر او را لقب

گرچہ کم است سالِ وے از سالِ من بیش بود حالِ وے از حالِ من

نثرِ وے از نظم گہربار تر نظم ز نثر آمدہ ہموار تر

دیدہ ز نورِ سخنش پر ضیا طبع ز لطفِ سخنش پر صفا

گنجِ ہنر آمدہ در مشتِ او ہفت قلم راندہ سہ انگشتِ او

گرچہ منم بے سخن استادِ فن آں یک و ایں یک بود استادِ من

اسی آخری شعر کا شاید یہ مطلب ہے کہ میں سب سے چھوٹے بھائی کا استاد ہوں، اور بڑا بھائی میرا استاد ہے، اس مثنوی کا خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے:-

گرچہ مراہست مہندس لقب ہندسہ زان ہر سہ برادر طلب

اس سے ثابت ہوا کہ ہندسہ اور عمارت گری کے فن میں یہ تینوں بھائی مہارت رکھتے تھے،

الغرض احمد معمار کے ان تین باکمال بیٹوں کے نام بہ ترتیب یہ ہیں،

۱- عطاء اللہ رشیدی نادر العصر،

۲- لطف اللہ مہندس،

۳- نور اللہ معمار،

ابھی حال میں (جولائی ۱۹۳۵ء میں) لطف اللہ کی ایک اور تصنیف سحر حلال کا پتہ چلا، یہ مختصر رسالہ مدرسہ محمدی مدراس کے کتب خانہ میں ہے، جس کا نمبر ۲۶۸۶ ہے، اس کا دوسرا نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے،

اس رسالہ میں بھی لطف اللہ نے اپنے باپ اور اس کے تینوں بیٹوں کا حسب ذیل عبارت میں جو بصورت معمہ ہے تذکرہ کیا ہے،

"احمد معمار والد ملوک داد را سہ ولد دارد، اوّل عطاء اللہ سلمہ اللہ سالک مسالک علم۔ ۔ ۔
عالم وعامل وعلامہ عصر۔ ۔ ۔ رسالہا در علم اعداد مسطور کردہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وولد دوم اوسط
ہر سہ ملوک درگاہ کردگار واسم ملوک حال دو کلمہ آمد، کلمۂ دوم اللہ۔ ۔ ۔ ۔ وکلمۂ اول
لام وطا ومعادل عدد عطا، وولد سوم در مسالک علم وحال۔ ۔ ۔ ۔ واسم او ہم
دو کلمہ دارد، کلمۂ دوم اللہ۔ ۔ ۔ ۔ وکلمۂ اوّل معادل مطا ور۔ ۔ ۔ ۔"

احمد معمار کے بڑے بیٹے کا نام عطاء اللہ تو صاف ہے، منجھلے بیٹے کے جو مصنف کتاب ہے، نام کا دوسرا جزء اللہ اور پہلا جزء، لام اور طا اور ایک ایسا حرف ہے جس کا عدد لفظ "عطا" کے برابر ہے یعنی ف جو حرف ق کا عدد ہے، یہ سب مل کر "لطف اللہ" ہوتا ہے،

چھوٹے لڑکے کے نام کا بھی دوسرا جزء "اللہ" اور پہلا جزء "مطا" کا مساوی العدد اور "ر" ہے، مطا کا ۵۰ ہے، جو حرف ن کا معادل ہے، حرف "ن" کو "وا" اور "ر" سے ملانے سے پورا نام "نور اللہ" نکلتا ہے،

ان تینوں باکمالوں کے نام مختلف عمارتوں کے کتبوں کے گوشوں میں لکھے ہوئے ملتے ہیں، لیکن اگر دیوان مہندس کا یہ نسخہ ہاتھ نہ آتا تو اس خاندان کے ان مختلف افراد کے یہ باہمی تعلق کا واقعہ دنیا سے پوشیدہ

نور اللہ معمار | یہ استاد احمد کا سب سے چھوٹا لڑکا، اور لطف اللہ مہندس کا سب سے چھوٹا بھائی ہے، اس کی کوئی تصنیف اب تک نہیں ملی ہے، مگر مہندس کے بیان سے یہ ثابت ہے کہ وہ بھی معماری کے فن میں امتیاز رکھتا تھا،

لیک بود قیصر کلامش عجب زاں شدہ معمار مرا در لقب

سب بھائیوں میں سے معمار کا موروثی لقب اسی کو حاصل تھا، اس کے علاوہ وہ اپنے وقت کا بہت بڑا خطاط تھا، اسی لئے مہندس نے اس کی نسبت کہا ہے،

گنج ہنر آمدہ در مشتِ او ہفت قلم راندہ سہ انگشتِ او

یعنی وہ خط کے ساتوں قلموں میں ماہر تھا، مہندس کے بیان کی شہادت آج بھی دنیا میں موجود ہے،

دلی کی شاہجہانی جامع مسجد میں بیرونی محرابوں کی اوپر کی دیوار میں مسجد کے بنائے جانے کی جو تاریخ طویل فارسی نثر عبارت میں بخطِ نسخ تحریر ہے، وہ اسی باکمال کی انگلیوں کا معجزہ ہے، چنانچہ کتبہ کے آخر میں بسمت شمال ایک گوشہ میں کتبہ نور اللہ احمد لکھا ہوا ہے،

عطاء اللہ رشیدی | عطاء اللہ رشیدی احمد معمار کا سب سے بڑا لڑکا، اور لطف اللہ مہندس یعنی احمد کے منجھلے بیٹے کا استاد ہے، مہندس کے اشعار سے ثابت ہے کہ وہ بہت سی کتابوں کا مصنف بھی تھا، کہتا ہے،

مخزنِ علم آمدہ تالیفِ او گنج ہنر ہاست تصانیفِ او

سحرِ حلال میں بھی اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں،

"سالک مسالک علم عالم وعامل وعلامۂ عصر رسالہا در علم اعداد مسطور کردہ"

اس کی ان متعدد تصنیفات میں سے ہم کو تین کا علم ہے، اور یہ تینوں علم اعداد یعنی حساب ہی میں ہیں، ان میں سے ایک کا نام بیج گنت اور دوسرے کا نام خلاصۂ راز ہے، بیج گنت سنسکرت کا لفظ، ویجا گنیتا ہے، جس کے معنی علم جبر و مقابلہ کے ہیں، یہ سنسکرت میں بھاسکر چاریا کی تصنیف ہے، عطاء اللہ نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا، اس کے نسخے برٹش میوزیم، میونک یونیورسٹی اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی لائبریریوں اور کتبخانۂ سعیدیہ حیدرآباد میں ہیں، اس میں مصنف اپنا نام "عطاء اللہ رشیدی بن احمد نادر" بتاتا ہے، رسالہ کا آغاز اس شعر سے ہے،

اوّل زستایشِ الٰہی گوئیم پس نعتِ رسول اوکماہی گوئیم

یہ شعر میرے خیال میں فیضی کے جواب میں ہے، فیضی نے سنسکرت کی حساب کی مشہور کتاب لیلاوتی کا جو ترجمہ اکبر کے زمانہ میں کیا ہے، اس کے آغاز میں یہ شعر لکھا ہے، جو سراسر خوشامد ہے،

اوّل زثنائے بادشاہی گویم وانگہ زستایشِ الٰہی گویم

رشیدی گویا اس کے جواب میں کہتا ہے،

اوّل زستایش الٰہی گویم   پس نعت رسول او کماہی گویم

ندوۃ العلماء لکھنؤ اور کتب خانۂ سعیدیہ حیدرآباد کے نسخے میری نظر سے گذرے ہیں، دیباچہ میں ہے،

"اما بعد می گوید بندۂ محتاج بخداوند قادر عطاء اللہ رشیدی ابن احمد نادر کہ بہ توفیق الٰہی در سنہ اربع و اربعین و الف ہجری مطابق ہشتم سال جلوس حضرت صاحب قرانی برادرنگ سلطنت و جہانبانی کتاب جبر و مقابلہ ہندوی موسوم بہ بیج گنت تصنیف بھاسکر اچارج صاحب لیلاوتی را کہ در علم حساب کشانی است بحقائق رائقہ و مفتاح است بدقائق فائقہ و محتویست بر فوائد بلند و مطالب ارجمند، کہ در لیلاوتی مذکور نیست، و در ہیچ نسخہ فارسی و عربی مسطور نہ، از زبان ہندی بفارسی آوردم و دیباچۂ کتاب رابکتابہ دعاے دولت حضرت خاقانی، وارث ملک سلیمانی، مرتقی مدارج عز و جلال ... ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحب قرانی ثانی، شاہجہان نامی بادشاہ غازی..."

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب جو لیلاوتی کے مصنف بھاسکر اچاریہ کی دوسری کتاب کا ترجمہ ہے، شاہجہان کے آٹھوین سال جلوس ۱۰۴۴ھ میں مکمل ہوئی ہے، سعیدیہ کا نسخہ محمد شاہ کے زمانہ میں ۱۱۴۵ھ میں منقول ہوا ہے، ندوہ کے نسخہ کا نمبر کتبخانہ میں نمبر ۶۵ ریاضی ہے،

برٹش میوزیم اور میونک یونیورسٹی کی لائبریریون کی فہرستون میں اس نسخہ کا مختصر حال درج ہے، کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں بدر الحساب کے نام سے بیج گنت کا ایک اور ترجمہ موجود ہے، جو ۱۰۷۵ھ میں برہان پور میں کیا گیا، عطاء اللہ رشیدی کی دوسری کتاب خلاصۂ راز کا نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ہے، اس میں اس نے اپنا نام یہ لکھا ہے، "عطاء اللہ بن استاد احمد معمار" اس کا آغاز اس شعر سے ہے،

شکر بے حد بواحد ازلی   حمد بے حد بفرد لم یزلی

رسالہ کا موضوع حساب، مساحت اور جبر و مقابلہ ہے، زبان فارسی نثر ہے، اور رسالہ کی تقسیم دس بابون پر ہے، رسالہ کے دیباچہ میں شاہجہان بادشاہ اور شاہزادہ دارا شکوہ کی ستائش ہے، اور رسالہ شاہزادہ کے نام

سے معنون ہے، دارا شکوہ ۱۰۶۷ھ میں قتل ہوا ہے، اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ رسالہ اس سے پہلے تالیف پاچکا تھا،

اس کی تیسری کتاب خزینۃ الاعداد ہے، جو علم حساب، الجبرا اور علم اقلیدس میں ہے، مقدمہ میں اس نے بیان کیا ہے کہ اس نے یہ کتاب مبتدیوں اور سرکاری مالی دفترون کے ملازمون، تاجرون، اور مذہبی عالمون کے لئے لکھی ہے، اس رسالہ کا آغاز ان لفظون سے ہوا ہے:-

"الحمد للہ الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورًا قدر، منازل . . . . .

مؤلف این رسالہ و مترجم این مقالہ المفتقر الی رحمۃ اللہ الفقیر الحقیر عطاء اللہ"

رسالہ میں ایک مقدمہ، دو مفتاح، دس باب ایک کشکول اور ایک خاتمہ ہے، کتاب کا نام (خزینہ) تاریخی ہے، جس سے ۱۰۶۷ھ نکلتا ہے، جیسا کہ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے،

ز تاریخ اتمامش آگہ شوی   چون نام وے آری تواند حساب

یہ نادر نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے، جس کا نمبر ۱۰۷ ہے[1]،

عطاء اللہ رشیدی جیسا کہ اس کے بھائی لطف اللہ نے اپنی مثنوی میں لکھا ہے، شاعر بھی تھا، اور رشیدی تخلص کرتا تھا، مگر اس کا کوئی شعر ہم تک نہیں پہنچا ہے، بجز اس کے کہ لطف اللہ کے ہاتھ کی ایک کتاب صورِ معونی کا جو اصل نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں ہے، اس کے آخر میں ایک صفحہ پر عطاء اللہ کے قلم کی ایک مشق ہے، جس میں آفتاب اور سہا کے تناسب سے کچھ فقرے لکھے ہیں، اور آخر میں یہ شعر درج ہے،

عطاء اللہ کہ گر نامش نہی ہیچ   ز غیرت ہیچ افتد در خم و پیچ

[1] فہرست کتب عربی و فارسی و اردو کتب خانۂ جامعہ بمبئی مرتبہ شیخ عبد القادر، فاضل مرتب نے عطاء اللہ بن احمد کو اس رسالہ کا مصنف ظاہر کرنے کے باوجود اس کا سال تصنیف "خزینۃ الاعداد" کے دونون جزون کے اعداد کو گن کر ۱۱۶۸ھ ظاہر کیا ہے، جو ظاہر ہے کہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ تاریخ مصنف کی زندگی کے بہت بعد ہے، لیکن اگر نام کے دونون جزون کے اعداد الگ الگ یعنی ۱۰۶۷ھ اور ۱۱۰۱ھ صحیح ہو تو پھر یہ کسی دوسرے عطاء اللہ کا رسالہ سمجھا جائیگا،

عطاء اللہ کے یہ تو علمی کارنامے ہیں، لیکن اس کا ایک عملی کارنامہ بھی دنیا میں موجود ہے، اور وہ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کی محبوب بیوی ملکہ رابعہ دورانی کا مقبرہ ہے، جو اورنگ آباد دکن میں واقع ہے، یہ مقبرہ تمامتر روضۂ تاج محل کی نقل ہے، خیال ہوتا ہے کہ چونکہ اس کے باپ احمد معمار نے تاج کا روضہ بنایا تھا، اس لئے قرین قیاس سمجھا گیا کہ اس کا خلف الرشید اس نقش اول کا بہترین نقش ثانی تیار کرسکتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ آگرہ میں جو سامانِ تعمیر شاہجہان کے عہد میں مہیا ہو سکتا تھا وہ اورنگ آباد دکن میں عالمگیر کے عہد میں میسر نہیں آسکتا تھا، پتھر اور اینٹ کے فرق کے علاوہ جو نزاکت، لطافت اور تناسب روضہ کی خصوصیات ہیں، ان کی نقل اتاری نہ جا سکی،

رابعہ دورانی کے مقبرہ کے صدر دروازہ پر پیتل کا پتر چڑھا ہوا ہے، اس پر ایک طرف یہ عبارت لکھی ہے:

"این روضۂ منورہ در معماری عطاء اللہ بعمل ہیبت راے طیار شدہ ۱۰۶۱" (باقی)

تاریخ صقلیہ جلد دوم شائع ہوگئی

مرتبہ سید ریاست علی ندوی سب اڈیٹر معارف

اس جلد میں سسلی کے اسلامی عہد کا تمدنی مرقع ہے، جو اس ماہ میں شائع ہوگئی ہے، کتاب چند ابواب میں ہے، پہلے مسلمانان صقلیہ کے قبائلی حالات، اسلامی آبادیاں، اسلامی عہد کی زبان، ادیان، مذاہب اور باشندوں کے اخلاق و عادات کا ذکر ہے، پھر نظام حکومت کا بیان آتا ہے، پھر معیشت کے باب میں ان کے معاش و طریق زندگی کی تفصیل ہے، اس ضمن میں مسلمانوں کی صنعت و حرفت، زراعت، تعمیر اور تجارت کے مفصل حالات آگئے ہیں، اسکے بعد علوم و فنون کا باب مسلمانوں کی ذہنی ترقیوں کا آئینہ دار ہے، جسمیں مختلف علوم قرآن، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، کلام، مناظرہ، شعر و شاعری، علوم عقلیات، ریاضیات و طبیعیات کا ذکر ایک ایک فصل میں ہے، اور انہی میں مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا، اور شعرا کے مفصل سوانح حیات، انکی تصنیفات کا ذکر آیا ہے، اور پھر سسلی کے اسلامی تہذیب و معاشرت پر اجمالی نظر ڈالکر یورپ سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہیں، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، ضخامت... صفحات، قیمت للعہ

"منیجر"

شمس معنوی

یعنی

دیوان شمس تبریز یو مولانا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے، استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن،

(۲)

مولینا کے بعض خاص حالات مولینائے روم[1] رحمہ اللہ نے بتاریخ ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ ہجری عالم فانی میں قدم رکھا، مقام پیدائش بلخ ہے، نسبًا صدیقی ہیں، نسبتِ صدیقی کا اثر بزرگانِ خاندان میں مسلسل ظاہر ہوتا رہا، مولانا کے والد ماجد حضرت سلطان العلما بہاء الدین علوم ظاہری و باطنی میں اپنے عہد میں بے نظیر کمال رکھتے تھے، برگزیدۂ خالق اور محبوبِ خلائق تھے،

شیخ عطار کی جوہر شناسی محمد خوارزم شاہ بلخ عزیز اور ارادتمند تھا، لیکن بعض غلط فہمیوں کی بنا پر برگشتہ ہوگیا، سلطان العلما نے مع اپنی جماعت کے بلخ سے ہجرت فرمائی، اثنائے سفر میں قافلہ نیشاپور پہنچا، شیخ عطار سلطان العلما کی ملاقات کے لئے تشریف لائے، مولانا کمسن تھے لیکن جوہر شناس عطار نے اس قطرۂ نیساں کی قدر پہچان لی، اپنی کتاب اسرار نامہ ہدیتہً دی، اور سلطان العلما سے فرمایا،

"زود باشد کہ این پسر آتش در سوختان عالم برزند"

تعلیم اور فضل و کمال ابتدا میں والد ماجد نے تعلیم و تربیت فرمائی، اس کے بعد تاج المخدومین حضرت سید برہان الدین جیسے متبحر عالم و عارف آپ کے معلم مقرر ہوئے، شوق علم کا یہ عالم تھا کہ حلب، دمشق، اور دیگر مقامات کے علمی مرکزوں میں جاکر اہلِ کمال کے فیض تعلیم سے مستفید ہوئے، نوجوانی ہی میں علم و فضل پایۂ استناد کو پہنچ گیا،

[1] یہ حالات مولینا کے معتبر ترین تذکرہ رسالہ سپہ سالار سے لئے گئے ہیں، سپہ سالار ص۱۲

سپہ سالار کا بیان یہاں تک ہے کہ حضرت خضر بھی باطنی طور پر اپنے علم لدنی سے مولینا کو فیض پہنچاتے رہتے، خود مولانا فرماتے ہیں :-

"اول از خضرم بحجہ علم لدنی را یافتم"

اسی زمانہ سے دین کی رازدانی کا سلسلہ شروع ہوگیا،

والد ماجد کے انتقال کے بعد دوسروں کے اصرار پر تعلیم اور افتار کا سلسلہ شروع فرمایا، اور مسندِ علم پر رونق افروز ہوئے، صاحبِ مناقب راوی ہیں کہ چار سو طلبہ کا ہجوم ہر وقت رہتا تھا، مثنوی کے مطالعہ سے معلوم ظاہر ہوتا ہے، کہ علومِ مروجہ پر کسقدر تبحر اور عبور تھا، لیکن اس دفتر بے پایان سے "دل کا چین" حاصل نہ ہو سکا، بلکہ طلب کی پیاس باقی رہی،

جوہر طینتِ آدم زخمیر دگراست، تو توقع زگلِ کوزہ گراں می داری،

بچپن ہی سے عالم غیب سے ربط اور مناسبت کے آثار ظاہر تھے، لیکن مولینا نے پہلے حضرت سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور نو سال تک اصلاحِ باطن میں مصروف رہے، اس کے علاوہ قیام دمشق کے زمانہ میں شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رح، شیخ سعد الدین حموی رح، شیخ عثمانی رومی، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت باسعادت رہی جس میں حقائق و معارف ہی کی گفتگو ہوتی تھی،

حضرت شمس سے ملاقات

حضرت شمس الدین محمد تبریزی بابا کمال الدین جندی رح کے مرید، اور صاحبِ کمال تھے، شیخ فخر الدین عراقی حضرت شمس کے پیر بھائی، اور ساتھی ہیں، خانقاہ میں عراقی کا یہ دستور تھا، کہ جن حقائق اور معارف کا انکشاف ہوتا، اور جو احوال مقامات سلوک میں ان پر گذرتے، ان کو اشعار کا جامہ پہناتے، اور شیخ محترم کو سناتے، ایک دن شیخ موصوف نے حضرت شمس سے بھی فرمائش کی، کہ تم بھی اپنے حالات کو صورتِ نظم میں پیش کرو، حضرت شمس نے اصطلاحی علوم اور شعر گوئی سے عدم واقفیت کا عذر فرمایا، حضرت بابا نے پیشینگوئی فرمائی، کہ

میں لکھی گئیں، لیکن نکلسن کا اپنا خیال جو غالباً صحیح ہی یہ ہے کہ دیوان کا ایک حصہ تو شمس تبریز کی زندگی ہی میں لکھا گیا ہو، اور ایک بڑے حصّے کا زمانہ تصنیف مابعد کا ہے"[۱]

نکلسن کا بیان

مندرجۂ بالا عبارت میں براؤن نے ڈاکٹر نکلسن کے حوالہ سے اس واقعہ کا اظہار کیا ہے لیکن ڈاکٹر نکلسن کا بیان ملاحظہ ہو جس میں ایک خاص انداز سے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ مولینا کا دیوان شمس کے نام سے مشہور ہو گیا،

"دیوان ہرگز شمس تبریز کے نام سے منسوب یا موسوم نہیں کیا گیا جبتک غالباً اس کی تکمیل سے پہلے وصال ہو گیا پھر کس سبب سے انکا نام سرورق اور اکثر غزلیات کے مقطعوں میں پایا جاتا ہو، وہ کون ہیں؟ اور جلال الدین رومی سے ان کا کیا ربط ہے[۲]؟ کیوں کسی فردوسی اور حافظ کے مرتبہ کے شاعر کے غیر فانی تغزل کا سہرا ایک غیر معروف درویش کے سر رہا"؟

آتشکدہ آذر

آتشکدۂ آذر[۳] میں حاجی لطف علی بیگ آذر کہتے ہیں :-

"در اکثر ابیاتِ عاشقانہ و عارفانہ کہ اسم شمس تبریزی بردہ غرض شیخ شمس الدین تبریزیست کہ اصلش از خراسان بودہ و خود در تبریز متولد شدہ،

مثنوی اشعار بسیار دارد، آنچہ بہ نظر فقیر قلیلی از آن را بزعم خود انتخاب کردہ، بسمع دوستان میرساند" مثلاً

ایا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ، ترا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ
برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ، برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ
(آتشکدہ)، (دیوان شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور ۱۹۲۴ء)
نمائے رخ کہ باغ و گلستانم آرزوست، بنمائے رخ کہ باغ و گلستانم آرزوست

---

[۱] مجمع الفصحا، رضا قلی خان مطبوعہ ایران ۱۲۹۵ھ ص ۲۸۶ [۲] منتخب غزلیات دیوان شمس تبریز ڈاکٹر رینالڈ اے نکلسن کیمبرج ۱۸۹۸ء
[۳] اس سے مراد یہ ہے کہ ارادۂ تکمیل کے بعد مولانا کی طرف سے حضرت شمس کے نام معنون نہیں کیگئی [۳] آتشکدہ آذر ۱۲۹۹ء مؤلفہ حاجی لطف علی بیگ صاحب آذر مطبع فتح الکریم بمبئی ص ۳۲۳ آتشکدہ دوم شرارۂ اولی،

"حق سبحانہ تعالیٰ ترا مصاحبے روزی کند کہ معارف وحقائق اولین وآخرین را بنام تو اظہار کند، و ینابیع حکم از دل او برزبانش جاری شود، و بلباس حرف وصورت درآید، و طراز آن لباس بنام تو باشد"

(نفحات الانس جامی تذکرہ شمس الدین محمد بن علی ملک داد تبریزی)

خود حضرت شمس بھی اس کے متمنی تھے، کہ کوئی ایسا ہمراز ملجائے، جو میرے اسرار اور شدتِ حال کا متحمل ہو سکے، سپہ سالار کی روایت ہے کہ اس کے لئے حضرت شمس دعا فرماتے تھے، غیب سے اشارہ ہوا کہ روم کی طرف جاؤ، ....

"مولانا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ ہیچ آفریدہ از خاصان تو باشد کہ صحبت مرا تحمل تواند کردن، در حال از عالم غیب اشارت رسید کہ اگر حریف صحبت خواہی بطرف روم سفر کن، در حال ازاں پائے متوجہ ولایت روم گشت و شہر بشہر جویان گشت تا بمحروسہ قونیہ رسید"

(سپہ سالار در ذکر شمس الدین)

یہاں ایک عارفانہ مکالمہ ہوا اور دونوں میں حُبِ للّٰہ کا ایسا تعلق قائم ہوا، کہ آج تک اس کا تذکرہ اور چرچا ہے، اس حقائق شناس کی صحبت سے مولانا نے درس و افتاء کو ترک کر دیا، اور روز و شب شمس ہی کی خدمت میں رہنے لگے، اخبارِ رسول کا مشغلہ چھوڑ کر اسرار رسول سے لذت یاب ہونے لگے، خود فرمایا کرتے کہ علمائے ظاہر اخبار رسول سے واقف ہیں، اور مولینا شمس الدین اسرار رسول سے، مناقب میں ہے:-

"روزی مولانا فرمود کہ علما ظاہر واقف اخبار رسول اند، وحضرت مولانا شمس الدین واقفِ اسرار رسول است"

شمس تبریز توئی واقفِ اسرار رسول — نام شیرین تو ہر دل شدہ را درماں باد

(آتشکدہ آذر)	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ نولکشور)
بکشائے لب کہ قند فراوانم آرزوست	بکشائے لب کہ قند فراوانم آرزوست
یکدست جام بادہ ویکدست زلف یار	یکدست جام بادہ ویکدست زلف یار
رقصی چنیں میانہ می دانم آرزوست	رقصی چنیں میانہ می دانم آرزوست
دی شیخ باچراغ ہمی گشت گرد شہر	دی شیخ باچراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دیو و دو ملولم و انسانم آرزوست	کز دیو ملولم و انسانم آرزوست،
زین ہمرہان سست عناصر دلم گرفت	زین ہمرہان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست	شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت نی نشرو .... ما	گفتند کہ یافت نیست کہ بس ...... ما
گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست	گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست

عارفانہ اور عاشقانہ ابیات جنھیں مولانا نے حضرت شمس کا نام درج کیا ہے، دیوان کے اشعار ہیں سوائے مثنوی کے دیگر اشعار بسیار سے مراد غزلیات ہی کے شعر ہیں، جن کا مجموعہ کلیات شمس تبریز کے نام سے ہمارے پیش نظر ہے، چنانچہ مثالاً ان اشعار کو حاجی صاحب نے درج فرمایا ہے، دیوان سے انھیں اشعار کو بالمقابل درج کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ دیوان مولانا روم ہی کے غزلیات و اشعار کا مجموعہ ہے،

خزینۃ الاصفیا (طبع ۱۲۹۰ھ)

صاحب[1] خزینۃ الاصفیا مولینا کی غزل گوئی اور حضرت شمس تبریز سے انکی محبت اور کلام میں انکی محبت سرائی کے متعلق لکھتے ہیں،

"مولینا جلال الدین رومی صاحب مثنوی را بکمال اعتقاد و یگانگت بادے بود وہمیشہ بادے صحبت میداشت و در اشعار خود در اکثر جا ستایش وے کردہ اند"

[1] خزینۃ الاصفیا، جلد دوم مصنفہ غلام سرور مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۳ء، ۱۲۹۰ھ ص ۲۶۸

اس سے پہلے مولانا کچھ وطن کے ماحول، اور کچھ احتیاط کے مدنظر شعر سے مجتنب تھے، لیکن اس صحبت کا ایک نیا رنگ یہ پیدا ہوا کہ مولانا نے سماع اور شعر گوئی کی طرف توجہ فرمائی، رفتہ رفتہ اس مشغلہ کی کثرت ہو [...] افلاکی لکھتے ہیں :۔

"دائما اسرار و غزلیات می فرمود"

اس میں کچھ ذوقِ حال اور کچھ مصلحت شناسی کو دخل تھا، اس زمانہ میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا، [...] مسلمان شعر کی طرف متوجہ تھے، غزلیات اور مثنویات سے دلچسپی پیدا ہو گئی، خصوصاً شاہنامۂ فردوسی کا [...] بہت ہوتا تھا، دینی معارف کی طرف لوگوں کی توجہ نہ رہتی تھی، "عشقِ لیلیٰ" کا ذوق شعر نے عام کر دیا تھا، لیکن "عشقِ مولیٰ" کا دلدادہ نہ ملتا تھا، مولانا نے پیرایۂ شعر اور "نالۂ نے" میں عشقِ حقیقی کا وہ صور پھونکا کہ آجتک [...] دل انکے کلام سے زندہ ہو رہے ہیں، انکی حقیقت خود بے نقاب فرمائی ہے،

"مردم این ملک از عالمِ عشق مالک الملک قوی بے خبر بودند، چناں مشاہدہ کردیم کہ ہیچ نوع بطرفِ حق، مائل نہ بودند، و از اسرار الٰہی محروم می ماندند، بطریقِ لطائف، سماع و شعر موزون، کہ طبائع مردم را موافق افتادہ است، آن معانی را در خورِ ایشان دادیم، چہ مردمِ روم اہلِ طرب و زہرہ بیان بودند"

(مناقب العارفین در تذکرہ مولانا جلال الدین رومی)

تصانیف نظم میں مثنوی معنوی شہرۂ آفاق ہے، لیکن اس سے تقریباً دوگنے اشعار کا ایک دیوان ہے، یہ دیوان، دیوانِ شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے، بالعموم انہی کا خیال کیا جاتا ہے، اہل علم و خبر اس حقیقت حال سے واقف ہیں، اس کے مختلف اسباب اور وجوہ آغاز سخن میں بیان ہو چکے ہیں، ہم تاریخی شواہد اور داخلی دلائل سے اس غلط فہمی کا پردہ اٹھانا چاہتے ہیں، مباحث کا مفصل خاکہ شروع میں درج کیا جا چکا ہے،

آغاز بحث

تاریخی شواہد — اب ہم اپنی بحث کے پہلے جز یعنی تاریخی شواہد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں ہم پہلے متاخرین کے بیانات نقل کریں گے، پھر متقدمین کے،

تاریخی شہادتوں کی فراہمی میں مختلف مشکلات کا سامنا ہے، مولانا کے ہم عصر یا قریب العہد تذکرہ نویسوں کے تذکرے دستیاب نہیں ہوتے، تاہم استثنائی طور پر بعض اہم اور معتبر تذکرے اور دوسری نوعیت کی ایقان آفرین اور اطمینان بخش شہادتیں ملتی ہیں جن سے دعوی کا ثبوت ملتا ہے، البتہ متاخرین نے اپنے اپنے تذکروں میں مسلسل اس حقیقت کا اظہار کیا ہے،

علامہ شبلی کا بیان — اس سلسلے میں سب سے پہلے ہندوستان کے مشہور مورخ اور ادیب فارسی شاعری کے جوہر شناس علامہ شبلی نعمانی کی شہادت نقل کرتے ہیں، آپنے علاوہ شعر العجم کے سوانح عمری مولینا روم کے نام سے مولانائے معنوی کی ایک مبسوط سوانح لکھی ہے، جس میں ایک مستقل باب کے تحت مولانا کی تصانیف پر بھی نقد و تبصرہ کیا ہے، آپ "فیہ ما فیہ" کے مختصر تذکرہ کے بعد بعنوان "دیوان" تحریر فرماتے ہیں :۔

"اس[1] میں قریباً پچاس ہزار شعر ہیں، چونکہ غزلوں کے مقطع میں عموماً شمس تبریز کا نام ہے، اسلئے عوام اسکو شمس تبریزی کا دیوان سمجھتے ہیں، چنانچہ دیوان مطبوعہ کی لوح پر شمس تبریزی کا نام لکھا ہے، لیکن یہ نہایت ہی فاش غلطی ہے، اولاً تو شمس تبریز کا نام تمام غزلوں میں اس حیثیت سے آیا ہے، کہ مرید اپنے پیر سے خطاب کر رہا ہے، یا غائبانہ اسکے اوصاف بیان کرتا ہے،

دوسرے، ریاض العارفین[2] وغیرہ میں تصریح ہے، کہ مولانا نے شمس تبریز کے نام سے یہ دیوان لکھا، اس کے علاوہ اکثر شعرا نے مولینا کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں، اور مقطع میں تصریح کی ہے، کہ یہ غزل مولانا کی غزل کے

---

[1] ص ۲۰۱، سوانح مولوی روم از شبلی حصہ دوم مطبوعہ شاہجہانی پریس دہلی، [2] اس تذکرہ کا ذکر مولینا شبلی نے علاوہ سوانح مولینا روم کے شعر العجم میں بھی کیا ہے، لیکن افسوس کہ حیدرآباد میں اس کا کوئی نسخہ نہ ملا،؟

جواب میں ہے، اسکے ساتھ مولانا کی غزل کا پورا مصرعہ یا کوئی ٹکڑا اپنی غزل میں لے لیا ہے، یہ وہی غزلیں این جو مولانا کے اس دیوان میں ملتی ہیں، جو شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے، مثلاً علی حزینؒ کہتے ہیں،

این جواب غزل مرشد روم است کہ گفت — من ببوئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر،

دوسرا مصرعہ مولینا کا ہے، چنانچہ اس کا پورا شعر یہ ہے،

من بہ کوئے تو خوشم خانۂ من ویران کن — من ببوئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر

حزین کی ایک اور غزل کا شعر ہے:-

مطرب زنوائے عارف روم — این پردہ بزن کہ یار دیدم،،

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی شہادت، انسائیکلوپیڈیا[1] آف اسلام کی شہادت ہے،

جس واقعہ سے ان کی ذہنی اور اخلاقی زندگی سب سے زیادہ متاثر ہوئی وہ صوفی شمس الدین تبریزیؒ سے ان کی ملاقات ہے،

اپنے رہبر طریق کی احسانمندی کا اعتراف مولینا نے بدین صورت کیا ہے، کہ اپنے کلام کا ایک بڑا حصہ ان کے نام موسوم فرمایا، ایک دیوان بھی ان کی تصنیف ہے[2]"

مذکورۂ بالا فکر کا بڑا حصہ (a great part of his work) دیوان ہی ہے جو شمس تبریزی کی طرف منسوب ہے، کیونکہ مثنوی تو کسی دوسرے کی طرف منسوب ہی نہیں ہے،

پروفیسر براؤن کا بیان، پروفیسر براؤن (E. G. Brown) اپنی مشہور عالم کتاب "ایران کی ادبی تاریخ" (سنہ ۱۹۰۶ء) (Literary History of Persia Vol II. P. 519) میں مولینا کی غزلیات کے متعلق لکھتے ہیں،

تمسن کی تحریر کے مطابق غزلیات متعلق جو دیوان شمس تبریز کے نام سے معروف ہیں دولت شاہ کا یہ بیان ہے کہ یہ خاص طور پر حضرت شمس کے غیاب دمشق کے دوران میں لکھی گئیں، لیکن رضا قلی خان کا قیاس یہ ہے کہ یہ مولانا کی یاد

[1] ۔۔۔ اڈیشن ج ۱۵ انسائیکلوپیڈیا اور دیگر تذکروں میں اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے، کہ مولانا کا دیوان حضرت شمس تبریز سے منسوب ہو گیا اس واقعہ کو اس پیرایہ میں لیا ہے۔

شیخ حسام الدین چلپی کے ذکر میں لکھتے ہیں:-

"چون حسام الدین الٰہی نامہ حکیم سنائی و منطق الطیر فرید الدین عطار و مصیبت نامۂ وے بدید بخدمت مولوی عرض کرد کہ حالا غزلیات بسیار شدند اگر بطرز الٰہی نامہ و منطق الطیر کتابے منظوم گردد، بر صفحۂ ہستی یادگار بماند"

ان بیانات سے مولانا کی کثرت غزل گوئی اور حضرت شمس کی ستایش کا ثبوت بہم پہنچتا ہے، یہ ستایش دیوان شمس تبریزی میں پائی جاتی ہے،

مجمع الفصحا (۱۲۸۴ھ) مجمع الفصحا کا بیان نہایت واضح اور مفصل ہے،

حضرت شمس کے حالات مین لکھتے ہین:-

"چون ملتجی شد بہ سیر و سیاحت رغبت فرمود، و بخدمت مشائخ رسید، ارادت بشیخ رکن الدین سنجاسی داشت، وی و شیخ فخر الدین ابراہیم ہمدانی متخلص بہ عراقی، شیخ از شمس پرسید کہ فرزند! تو توانی واردات خود را در صورت عبارت والفاظ درآوردن"

وی گفت "مرا از علم صورت و نظم بہرہ نیست"،

شیخ فرمود "خداوند تو فرزند و مصاحبے روحانی خواہد داد کہ بسیارے از علوم اولین و آخرین بنام تو در روزگار از و باقی ماند، پس بجانب روم رو حقیقت معلوم شود، در آنجایم سوختۂ ہست آتش در او زن کہ عالم را روشن کند"

شمس کی سیاحت اور مولینا روم سے ملاقات اور اون کی عقیدتمندی کی تفصیل کے بعد لکھتے ہین،

"مولینا بنا بر ارادت دیوانی بنام شیخ تمام فرمود و این کہ تا اکنون بنظر رسیدہ چہل و پنجاہ ہزار بیت اشعار است و بغایت نیکوست،

چون مقصود مولانا بقائی نام جناب شیخ است اشعار خود را بنام او گفتہ با آنکہ شمس سوز شاعر بودہ"

مولانا نے اپنے کلام میں اسرارِ شمس کی ترجمانی فرمائی ہے، اس لئے مدحِ شمس بھی بڑی کثرت اور شدت سے کیگئی ہے، دیوانِ شمس کے مطالعہ سے یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے،

بہارستان سخن شاہ نواز خان | عبد الرزاق خان خوانی المخاطب بہ شاہ نواز خان صمصام الدولہ اپنے تذکرہ امرا اہلِ سخن موسوم بہ بہارستانِ سخن[1] میں لکھتے ہیں،

"دیوان فیض نشانِ وے کہ اکثر در فراق شمس الدین تبریزی است و نام شریف وے بطریق تخلص در آن درج کردہ سی ہزار بیت است، چند بیت از دیوان مولانا است

شرابِ شیشۂ انگور خواہم، حریف سرخوش مخمور خواہم،

بیا نزدیکم اے ساقی کہ امروز من از خود خویشتن را دور خواہم"

دارا شکوہ ۱۰۴۹ھ | شاہزادہ محمد دارا شکوہ اپنے مشہور تذکرہ صوفیہ "سفینۃ الاولیا"[2] (سنہ تصنیف ۱۰۴۹ھ) بعنوان "در ذکر شمس تبریز" بیان کرتے ہیں،:-

"مولینا جلال الدین رومی را کمال یگانگی و یکجہتی با ایشان بودہ و ہمیشہ باہم صحبت میداشتند، و در اشعار خود ہمہ جا ستایش کردہ اند"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "در اشعار خود ہمہ جا ستایش کردہ اند" کا مرجع صرف دیوان شمس تبریز ہی کی غزلیات ہیں، کیونکہ تقریباً ہر غزل میں حضرت شمس کی ستایش کسی نہ کسی صورت میں پائی جاتی ہے، بلکہ اسے حضرت شمس کا ستایشی دیوان کہا جائے تو بہتر ہے،:-

مرأۃ الاسرار عبد الرحمن چشتی ۱۰۶۵ھ | تذکرہ مرأۃ الاسرار[3] میں عبد الرحمن چشتی صابری نے اس راز کو بخوبی بے نقاب

[1] قلمی نسخہ سنہ کتابت ۱۲۳۵ھ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، شمس کا نام بطور تخلص درج نہیں ہے، بلکہ بطریق ممدوح ہے،
[2] سفینۃ الاولیا قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، ۱۰۴۹ھ [3] تذکرہ مرأۃ الاسرار عبد الرحمن چشتی صابری ۱۰۶۵ھ قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن،

کیا ہے، صاحب تذکرہ تحریر فرماتے ہیں، کہ حضرت خواجہ شمس الدینؒ نے حضرت شمس تبریز سے فرمایا کہ "حق سبحانہ تعالیٰ ترا مصاحبی روزی کند، کہ معارف حقائق اولین و آخرین را بنام تو اظہار کند و ینابیع حکمت از دلِ او بزبانش جاری شود، و بلباس حرف و صوت درآرد و طرز آن لباس بنام تو باشد، چنانکہ در تصنیفات مولوی روم ظاہر است،" (ص ۱۲۵)

یہ بیان کس قدر واضح ہے، حسب ذیل کلمات قابل غور ہیں،

۱- "معارف حقائق اولین و آخرین را بنام تو اظہار کند"

۲- "طرز آن لباس بنام تو باشد"

۳- "چنانکہ در تصنیفات مولوی روم ظاہر است"

تصنیفات مولوی روم میں اس کا بہترین مصداق سوائے دیوان شمس تبریز کے اور کوئی کتاب نہیں ہے،

یہ پیشینگوئی کیونکر حرف بحرف پوری ہوئی ملاحظہ ہو،

مولانا کے حال میں لکھتے ہیں،

"کار او بصحبت خواجہ شمس الدین تبریزی بکمال رسیدہ چنانکہ در دیوان خود اکثر جا نسبت ارادت خود را بخدمت وے، درست می کند، ازان جملہ یک بیت اینست"

گرد عطار گشت مولینا، شربت از دست شمس بودش نوش،

(دیکھو دیوان شمس تبریز لکھنؤ ردیف ش)

صاحب تذکرہ مرأۃ الاسرار ذکر شمس تبریز کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں، کہ

[1] دیگر تذکرہ نویسوں نے یہ پیشینگوئی بابا کمال الدین جندی سے منسوب کی ہے، (دیکھئے نفحات ذکر شمس) غالباً اس موقع پر صاحب تذکرہ سے غلطی سرزد ہو گئی ہے،

"قیاس کنند کہ خواجہ شمس الدین از جملہ طالبان مولوی روم بودہ وہر گاہ در مصنفات مولوی روم نگاہ مکنیم وی خود را از کمترین طالبان و مریدان خواجہ شمس الدین شمردہ است چنانکہ در دیوان اشعار وی چند جا ظاہر یافتہ می شود"[1] از آن جملہ چند بیت،

ہم آنکس ہر کہ مردہ از جمالش زندہ شد	گریہ ہائے وصل عالم از وصالش خندہ شد
آن خنک جائے کہ لطفِ شمس الدین بیافت	برگذشت از نہ فلک بر لامکان باشندہ شد
چوں شمس الدین نظیرے نیست ایں جا،	چون شمس الدین نباشد روے خورشید"

مولانا کے فیضِ روحانی کے سرچشمہ کا اظہار کرتے ہوئے چند شعر نقل کئے ہیں، جو دیوان میں پائے جاتے ہیں،

"وہم از اشعار وے ظاہر می شود کہ وے را فیض خاص بحسب روحانیت حضرت مصطفوی و مرتضوی تمام بودہ است، چنانچہ از غلبہ شوق بسر وجد حال خود می فرماید، غزل،

(تذکرہ)	(کلیات شمس تبریز لکھنؤ)
زخلقِ احمدِ مختار مستیم،	زخلقِ احمدِ مختار مستیم،
زمہر حیدرِ کرار مستیم،	زبوے حیدرِ کرار مستیم،
نسیمے یافتم از شمس تبریز،	نسیمے یافتم از شمس تبریز،
کہ من زان سالکِ اسرار مستیم"	کہ از آن سالکِ اسرار مستیم،

طرائق الحقائق معصوم خان، | آقا حاجی مرزا معصوم خان "طرائق الحقائق"[2] میں بابا کمال الدین جندی کے ذکر میں لکھتے ہیں،

"آقا بابا کمال جندی شمس الدین تبریزی و از وے بمولی جلال الدین رومی نیز متصل می گردد چنانکہ گذشت در ذکر سلسلہ مولویہ و بعضے باین اشعار مولینا کہ در غزلیات فرمودہ استشہاد نمودہ نظر او

[1] مرآۃ الاسرار ص ۳۰۲، [2] طرائق الحقائق سنہ طباعت ۱۳۱۶ھ کتبخانہ آصفیہ ص ۱۵ جز ثانی،

بنجم الدین بودہ"

حسب ذیل اشعار درج ہیں، اور یہ دیوان میں پائے جاتے ہیں،

تذکرۂ مذکور	دیوان
"ما از ان محتشمانیم کہ ساغر گیرند،	ما از ان محتشمانیم کہ ساغر گیرند
نہ از ان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند،	نہ از ان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند،
بیکے دست مے خالصِ ایمان نوشند	بیکے دست مے خالصِ ایمان نوشند
بیکے دستِ دگر پرچم کافر گیرند"	بیکے دستِ دگر پرچم کافر گیرند
	(دیوان مطبوعہ لکھنؤ ربغداد)

حاشیہ نفحات الانس لاری ۹۰۹ھ، | مولانا عبد الغفور لاری حضرت جامیؒ کے خادم اور ارادتمند ہیں، اونھوں نے حضرت جامیؒ کے صاحبزادہ مولانا یوسف کے ایماء سے تکمیل نفحات الانس کے طور پر ایک تذکرہ لکھا ہی، اس کا نام حاشیہ نفحات الانس ہے، تذکرہ کم یاب بلکہ نایاب ہے، ایک[1] قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہی، صاحبِ حاشیہ نفحات مولانا روم کے حالات درج کرنے کے بعد حضرت شمس کے حال میں لکھتے ہیں،

"چنانچہ مولینا تخلص بنام شیخ شمس الدین کردہ"

اس ایک حقیقت کی کہ دیوان شمس تبریز کلامِ شمس نہیں بلکہ مولانا کی غزلیات کا مجموعہ ہے مختلف تعبیریں ہماری نظر سے گذری ہیں، اس حقیقت کی ایک تعبیر خاص یہ بیان بھی ہی،

ظاہر ہے کہ یہ بیان مثنوی معنوی سے متعلق تو نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس کا کوئی محل نہیں، مولانا کے کلام میں صرف مجموعہ غزلیات المعروف بہ دیوان شمس تبریزی ہے، جس پر یہ قول صادق آسکتا ہے، کیونکہ کثرت سے مقطع کے اندر بجائے اپنے تخلص کے مولینا شمس کا نام لاتے ہیں لیکن اس انداز بیان جیسے

[1] سنہ تالیف ۹۰۹ھ قلمی، اس میں اوراق کا شمار ہے، ورق ۹۲،

عقیدتمند مرید اپنے مرشد طریق کا ذکر کرتا ہو، مثلاً

شمس تبریز بما راہِ حقیقت بنمود، ما زفیضِ قدمِ اوست کہ ایمان داریم

نفحات الانس جامی ۸۸۳ھ | نفحات[1] الانس مولانائے روم کا مشہور تذکرۂ اولیا ہے، حضرت جامی شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں، کہ جب کفار تاتار نے خوارزم پر حملہ کیا اور سلطان محمد خوارزم بھاگ نکلا تو کفار تاتار نے خیال کیا کہ وہ خوارزم میں ہی، اسلئے داخل خوارزم ہوئے، شیخ نے اپنے بعض احباب کو طلب کیا اور فرمایا،

"زود برخیزید و بہ بلاد خود روید کہ آتش از جانب مشرق برافروخت تا نزدیک بہ مغرب خواہد سوخت،

این فتنہ ایست عظیم کہ درین امت مثل این واقع نشدہ است، بعض از اصحاب گفتند چہ شود،

اگر حضرت شیخ دعاے کند، شاید کہ این بلا از بلاد مسلمانان مندفع شود، شیخ فرمود کہ این

قضائیست مبرم، دعا دفع نمی تواند کرد، پس اصحاب التماس کردند کہ چارپایان آمدہ است،

چنانچہ حضرت شیخ نیز با اصحاب موافقت کنند.......... شیخ فرمود کہ من اینجا شہید خواہم شد

ومرا اذن نیست کہ بیرون روم"،

چنانچہ حضرت موصوف نے کفار کے داخل ہونے پر بڑے استقلال سے مقابلہ فرمایا، تفصیل کیلئے نفحات کا اصل صفحہ ملاحظہ ہو

"چون کفار بہ شہر در آمدند شیخ اصحاب باقی ماندہ را بخواند و گفت "قوموا باذن اللہ علی اسم اللہ تعالی نقاتل فی سبیل اللہ" بخانہ درآمد و خرقہ خود را پوشیدہ و میان محکم بست، ...... وبیرون آمد، چو با کفار متقابل شد...... کفار وی را تیرباران کردند، یک تیر بر سینۂ مبارک وے آمد، بیرون کشید و بینداخت و بران برفت،

[1] نفحات الانس قلمی نمبر ۲۹۰ ورق، کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن، سنہ تصنیف ۸۸۳ھ مولفہ مولانا عبد الرحمن جامی،

گویند کہ در وقت شہادت پرچم کافوری را گرفتہ بود، بعد از شہادت دہ کس نتوانستند کہ ویرا از دستِ شیخ خلاص دہند"،

خاص توجہ کے قابل مندرجۂ ذیل تحریر ہے، :-

بعضے گفتہ اند حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ در غزلیاتِ خود اشارت باین قصہ وانتساب خود بحضرت شیخ کردہ آنجا کہ گفتہ است،

(تذکرہ)	دیوان شمس تبریز (لکھنؤ ولیف د)
ما ازان محتشمانیم کہ ساغر گیرند	ما ازان محتشمانیم کہ ساغر گیرند،
نہ ازان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند	نہ ازان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند
بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند	بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند
بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند،	بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند،

دولت شاہ سمرقندی ۸۹۶ھ | تذکرۂ[1] دولت شاہ کا بیان ہے، کہ مولینا شمس الدین تبریز اپنے شیخ کبیر رکن الدین سنجابی کے حکم سے روم آئے، شہر قونیہ میں مولانائے روم سے ملاقات ہوئی، جب کہ وہ اپنے معتقدین اور متعلمین کی ایک جماعت کیساتھ جا رہے تھے، حضرت شمس تبریز نے از روے فراست اپنے محبوب اور مطلوب کو پہچان لیا اور سوال کیا، :-

"غرض از مجاہدت و ریاضت و تکرار و دانستن علم چیست"؛

مولانا نے جواب میں کہا :-

"روش سنت و آداب شریعت"،

حضرت شمس نے کہا :-

[1] تذکرۂ دولت شاہ مصحح براؤن مطبوعہ بریل لیڈن سنہ تصنیف ۸۹۶ھ،

"این همه از روے ظاہر است"

مولانا نے دریافت فرمایا:۔

"ورائے این چیست"؛

شمس عرفان نے اس پر یون ضیاپاشی فرمائی:۔

"علم آنست کہ بہ معلوم رسی"؛

اور سنائی کا یہ شعر پڑھا:۔

علم کز تو ترا نہ بستاند، جہل ازآن علم بہ بود بسیار،

تذکرہ کے مطابق مولینا جواب سے متحیر ہوئے، اور حضرت شمس کی صحبت اختیار فرمائی، واقعا[ت]

وحالات کچھ اس نوعیت کے درپیش ہوئے، کہ حضرت شمس شام کی طرف روانہ ہوگئے، مولانا حالت فر[اق]

سے نہایت مضطرب اور بےچین ہوئے، اس حالتِ جوش میں کثرت سے غزل فرماتے جن میں شمس کی مدح و[ثنا]

اور ان کے فیض اور اپنی بےچینی اور تڑپ کا اظہار ہوتا،

"شمس الدین عزیمت شام نمود ..... و در آرزوے او مولینا می سوخت و قوالان رای فرمود

تا سرود عاشقانہ می گفتند، شب و روز بہ سماع مشغول بودند، و اکثر غزلیات کہ در دیوان

مولانا مسطور است، در فراق شمس الدین گفتہ است"..... و از معارف مولانا ست

بنام شمس الدین این غزل،

آنا کہ بسر در طلب کعبہ دویدند، چون عاقبۃ الامر بہ مقصود رسیدند،

(باقی)

کتبخانہ دفتر دیوانی حیدرآباد،

میں

کرناٹک کی تاریخ کے مخطوطات،

از جناب محمد غوث صاحب ایم اے، ال ال بی، حیدرآباد، دکن،

تاریخ ہند کو صحیح روشنی میں لکھنے کے لئے فی الوقت عام طور سے جو شوق پیدا ہوگیا ہے اس کے لحاظ سے یہ امر بہت ضروری ہے کہ ایسی کتابیں روشنی میں لائی جائیں جو معلومات کا مستند ماخذ ہوں، اور جن سے حالات اور واقعات کا کماحقہ صحیح علم حاصل ہوسکے،

خان بہادر مولوی ظفر حسن صاحب بی اے، کا طلبۂ تاریخ ہند کو ممنون ہونا چاہئے کہ انھون نے بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ تاریخ ہندوستان کے عہد اسلامی کے ماخذون کی ایک بہت اچھی فہرست مرتب کردی ہے، لیکن اس فہرست میں صوبون کی تاریخ کے ماخذون کو ترک کردیا گیا ہے، ضرورت ہے کہ اس کی تکمیل کی جانب بھی توجہ کیجائے،

خاندانِ مغلیہ کے اختتام کے زمانہ میں کرناٹک کو جو اہمیت حاصل ہوگئی تھی، وہ پوشیدہ نہیں ہے، اس حصہ ہندوستان کی تاریخ پر، جہانتک علم ہے، اربابِ تاریخ نے اب تک بہت کم توجہ کی ہے حالانکہ واقعات کی اصلی نوعیت معلوم کرنے کے لئے اس کی تاریخ کے مناسب اور درست معلومات حاصل کرنا بہت ضروری ہے،

کتب خانہ دفتر دیوانی حیدرآباد مین جہاں ہندوستان اور دکن کی تاریخ کے خاص خاص اور اہم کتابون کو فراہم کرنے کی بطور خاص کوشش کیجاتی ہے، وہان کرناٹک کی تاریخ پر روشنی ڈالنے والی کتابیں بھی بہت

اہتمام سے فراہم کی گئی ہیں، فی الوقت اس کتب خانہ میں جو کتابیں اس نوعیت کی جمع ہوگئی ہیں، وہ بہت اہم ہیں، ان کتابوں سے کرناٹک کی تاریخ کے سب پہلو روشنی میں آجاتے ہیں،

ذیل میں ان کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے:۔

۱۔ سعید نامہ، تالیف لالہ دکھنی رائے منشی،

اس کتاب میں سعادت اللہ خان (۱۱۳۶ھ - ۱۱۴۷ھ) صوبہ دار کرناٹک کے زمانہ کی تاریخ [illegible] کی گئی ہے، کتاب میں ۱۱۳۵ھ تک کے واقعات بیان کئے ہیں، یہ وہ زمانہ ہے جب کہ نواب سعادت [illegible] خان کرناٹک میں دوسری خدمات پر مامور تھے،

۲۔ وقائع نواب سعادت اللہ خان، غلام علی حسین، نوازش محمد خان نے یہ کتاب تالیف کی ہے، اس کتاب میں ۱۱۶۵ھ تک کے واقعات بیان کئے ہیں، جب کہ نواب سعادت اللہ خان کا دور ختم ہوگیا، اور نواب انور الدین خان کے خاندان کا دور شروع ہوا،

۳۔ رسالہ واقعات جانشینی حضرت آصفجاہ، اس کتاب کے مصنف کا نام نور محمد خان ہے، مؤلف نے اپنے چشم دید واقعات بیان کئے ہیں، معرکوں میں خود مؤلف نے حصہ لیا ہے، اور اس وقت جو گفت وشنید مختلف افراد کے مابین ہوئی تھی، اس میں بھی انھوں نے حصہ لیا تھا،

۴۔ انور نامہ، میر محمد اسمٰعیل ابجدی نے یہ کتاب لکھی ہے جو نواب انور الدین خان اور نواب محمد علی خان والاجاہ کے زمانہ کی منظوم تاریخ ہے، ابتداء خاندان (۱۱۵۵ھ) سے کتاب کا آغاز ہوا ہے، ۱۱۷۴ھ کے واقعات پر یہ کتاب ختم ہوجاتی ہے، یہ وہ زمانہ ہے جب کہ تیسری فرانسیسی جنگ کے بعد پانڈی چری پر نواب محمد علی خان والاجاہ نے قبضہ کرلیا تھا،

۵۔ تزک والاجاہی، تالیف سید برہان خان ہانڈی، یہ کتاب بھی زمانہ خاندان انوری کی تاریخ ہے، انور نامہ کی طرح یہ کتاب بھی ۱۱۷۴ھ کے واقعات پر ختم ہوگئی ہے،

۶۔ قصر والاجاہی، مؤلفہ سید محمد حبش تمنا، اس کتاب کا موضوع بھی خاندان انوری کے حالات ہیں، البتہ واقعات کا سلسلہ ۱۲۱۵ھ تک دراز ہوا ہے،

۷۔ سراج التواریخ، قاضی بدر الدولہ نے یہ کتاب لکھی ہے، گو اس کا موضوع ہندوستان کے اسلامی عہد کی عمومی تاریخ ہے، لیکن کرناٹک کے حالات پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے،

۸۔ تحفۃ الاخبار، اس کتاب کے مصنف غلام حسین خان ہیں، یہ صاحب میر منشی دار الانشاء کمپنی تھے، یہ کتاب کرناٹک کی ایک عام تاریخ ہے، ۱۲۳۳ھ تک کے واقعات ترتیب دیئے ہیں، لیکن زمانہ خاندان انوری پر کتاب کا بڑا حصہ شامل ہے، نواب محمد علی خان والاجاہ کے زمانہ پر خصوصیت سے روشنی ڈالی ہے

۹۔ فوز عظیم، مؤلف کے نام کا پتہ نہ چل سکا، یہ کتاب بھی انور نامہ کی طرح منظوم ہے، البتہ انور نامہ سے مختصر تر ہے، ۱۲۱۰ھ کے واقعات بیان کرکے کتاب ختم کردی گئی ہے،

۱۰۔ نشان والاجاہی، حیدر نواز خان، اس کتاب کے مؤلف ہیں، نواب محمد علی خان والاجاہ کے ابتدائی حالات سے کتاب شروع کی گئی ہے، تسلسل بیان قائم رکھنے کیلئے پہلے کے حالات بھی نظر انداز نہیں کر دیئے ہیں، ۱۲۵۰ھ کتاب کا سنہ تالیف ہے، اور اس سنہ کے واقعات پر کتاب ختم کردی گئی ہے

۱۱۔ سرگذشت زمانہ نیابت، نواب غلام محمد غوث خان آخری نواب کرناٹک کی صغر سنی میں ان کے چچا نواب عظیم جاہ نائب قرار پائے تھے، وہی اس کتاب کے مؤلف ہیں، اپنے زمانہ نیابت میں جو اہم واقعات ۱۲۴۱ھ سے ۱۲۵۱ھ تک پیش آئے ان کو بیان کیا ہے،

۱۲۔ بہار اعظم جاہی، مصنف کا نام غلام عبد القادر، قادر عظیم خان ناظر ہے، ۱۲۳۸ھ میں نواب اعظم جاہ، نواب کرناٹک نے ناگور کا سفر اختیار کیا تھا، یہ کتاب اس سفر کے حالات کا تذکرہ ہے، ضمناً واقعات اور حالات تاریخی پر بھی جا بجا بحث آگئی ہے،

۱۳۔ تذکرۃ الانساب، یہ کتاب مصطفیٰ علی خان خوشدل کی تالیف ہے، اور گویا خاندان انوری

کا شجرہ اور مشاہیر خاندان کے حالات کا تذکرہ ہے،

۱۴- **گلستانِ نسب**، اس کتاب کے مؤلف کا نام بھی غلام عبدالقادر، قادر عظیم خان ناظر ہے، گو یہ کتاب مشاہیر اہل نوایط کے تذکرہ کے طور پر ہے، تاہم زمانۂ خاندانِ انوری کی تاریخ کرناٹک پر اس سے کافی روشنی پڑتی ہے،

۱۵- **وقائع امیر الامراء**، اس کتاب کو محمد عنایت حسین خان نے مرتب کیا ہے، نواب امیر الامراء نواب والاجاہ کے فرزند تھے، اور تنجاور کے انتظام پر مامور، مؤلف نے اس کتاب میں امیر الامرا کی زندگی کے بعض اہم اور خاص حالات فراہم کئے ہیں،

۱۶- **تشرید النوم موعظۃ القوم**، کے نام سے نواب امیر الامرا نے مشائخ طریقت کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے آخر میں اپنے ذاتی حالات لکھے ہیں، کتب خانہ کا یہ مخطوطہ انہی ذاتی حالات پر مشتمل ہے،

۱۷- **حدیقۂ مرتضوی**، اس کو سید مرتضی خادم نے تالیف کیا ہے، اور مرتضی خان قلعہ دار ایلور کے حالات پر شامل ہے، مرتضی خان نواب سعادت اللہ خان کے زمانہ میں اس خدمت پر مقرر تھے،

۱۸- **شرف نامہ**، اس کتاب کا دوسرا نام تاریخ حفیظ اللہ خانی ہے، مولف کا نام محمد حفیظ اللہ خان حافظ یار جنگ ہے، یہ کتاب مؤلف کی خود نوشتہ سوانحعمری ہے، لیکن آخری نواب کرناٹک غلام محمد غوث خان کے زمانہ کے کافی حالات اس تالیف سے معلوم ہوتے ہیں،

۱۹- **دستور الالقاب**، نواب عظیم الدولہ نواب کرناٹک کے زمانہ میں مختلف افراد کے لئے مراسلات سرکاری میں جو القاب مقرر تھے ان سب کو مع ہر ایک کے نام و خدمت کی تفصیل کے اس رسالہ میں جمع کیا گیا ہے،

۲۰- **مجموعۂ مکاتیب شاہانِ انگلستان و ایسٹ انڈیا کمپنی**، یہ ان مکاتیب کا ایک مجموعہ ہے، جو شاہانِ انگلستان اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مختلف عہدہ داروں نے نواب والاجاہ کو ۱۱۷۴ھ

سے ۱۱۹۲ھ تک وقت بوقت لکھے،

۲۱- **مجموعۂ فرامینِ شاہ عالم ثانی بنام نوابانِ کرناٹک**، یہ ان فرامین کا ایک مجموعہ ہے، جو شاہ عالم ثانی کی جانب سے از ۱۱۷۳ھ تا ۱۲۱۱ھ کرناٹک کے نوابوں کے نام صادر ہوئے،

۲۲- **گلشن سعادت**، محمد امین کی تالیف ہے، اور نواب سعادت اللہ خان کی جانب سے جو مراسلت عمل میں آتی تھی یہ اس کا مجموعہ ہے،

۲۳- **مجموعۂ مکاتیب نواب والاجاہ**، یہ نواب والاجاہ کے ان مکاتیب کا مجموعہ ہے جو ان کی جانب سے امرائے عرب کو روانہ کئے جاتے تھے،

۲۴- **فرامین و رقعاتِ والاجاہ**، اس مجموعہ میں نواب صاحب کے مختلف احکام اور واقعات فراہم کئے گئے ہیں،

۲۵- **رقعاتِ والاجاہ**، نواب صاحب نے اپنے ماتحت حکام و عہدہ داروں کے نام جو احکام جاری کئے تھے یہ اس کا ایک بہت ضخیم مجموعہ ہے،

۲۶- **مراسلاتِ امرائے کرناٹک**، اس میں مختلف امرائے کرناٹک کی باہمی مراسلت یک جا مرتب کی گئی ہے،

۲۷- **کتاب نوشت و خواند با نظام الدولہ و سرکار**، یہ دراصل اس مراسلت کا رجسٹر ہے جو نواب مغفرت مآب نظام علی خان اور نواب محمد علی خان والاجاہ کے مابین عمل میں آئی تھی، ۱۱۷۹ھ سے ۱۱۹۳ھ تک جو مراسلت عمل میں آئی اس کا بہت بڑا حصہ اس رجسٹر میں محفوظ ہے،

۲۸- **انشائے فضائل خانی**، کرنول کے نواب نظامت خان کے مکاتیب کا مجموعہ ہے، جو محمد معمور خان بنی نے مرتب کیا ہے،

۲۹- **انشاءِ دانش آرا**، مؤلف کا نام منشی غلام حسین ہے، کرناٹک کے مشاہیر کے مکاتب

جمع کئے ہیں،

۳۰۔ رقعات عبدالقادر خان قلعہ دار اودگیر، نواب والاجاہ کے زمانہ میں عبدالقادر خان اودگیر کی قلعہ داری پر فائز تھے، اس کتاب میں ان کی سرکاری مراسلت فراہم کی گئی ہے،

۳۱۔ مکاتیب محمد غوث، شرف الملک، یہ نواب عظیم الدولہ کے عہد میں دیوان تھے، ان کے مکاتیب کا یہ مجموعہ ہے،

۳۲۔ انشاء حبیب اللٰہی، یہ کتاب میر محمد علی کی تالیف ہے، انھوں نے اس مجموعہ میں حافظ محمد حبیب اللہ کے مسودات ایک جگہ کر دیئے ہیں، حافظ موصوف عبدالحلیم خان حاکم کڑپہ کے منشی تھے، اس طرح یہ مجموعہ ان رقعات وغیرہ پر مشتمل ہے، جو نواب صاحب موصوف نے اپنے معاصرین کو روانہ کئے،

۳۳۔ تذکرۃ البلاد والحکام، تالیف میر حسین علی کرمانی، اس تاریخ میں مؤلف نے ان بلاد اور حکام کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق بالاگھاٹ (کرناٹک) سے تھا، ۱۲۱۵ھ کے واقعات پر یہ کتاب ختم ہوئی ہے،

۳۴۔ وقائع نعمۃ امیر الامراء ناصر جنگ فی دیار الکرناٹک، اس نام سے نظام الدین احمد نے عربی میں ایک رسالہ نواب ناصر جنگ کے کرناٹک میں آنے اور نواب مظفر جنگ پر فتح پانے کے حالات میں لکھا ہے،

۳۵۔ گلدستۂ کرناٹک، مؤلف کا نام حکیم باقر حسین خان ہے، کتاب کا موضوع کرناٹک کے شعراء کا تذکرہ ہے،

۳۶۔ جغرافیۂ علاقہ مدراس، مرتبہ سید شاہ ابو الحسن، یہ کتاب ۱۸۰۱ء میں بزبان اردو تالیف پائی ہے،

ان کتابوں کے علاوہ میسور اور سلطنت ہند پر جو کتابیں مخزون ہیں ان سے بھی تاریخ کرناٹک کے متعلق معلومات حاصل ہوئے ہیں، ان کی تفصیل اس وقت موجب تطویل ہوگی،

تاریخ عتیقہ

پنڈوہ اور لکھنوتی کے چند آثار

از جناب سید شاہ حسین الدین احمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ ابو العلائیہ گیا

"حضرت مخدوم نور قطب العالم پنڈوی کا سلسلہ اس ناچیز تک تین چار سلسلوں کے واسطوں سے پہنچا ہے اس لئے پنڈوہ کی زیارت کا ایک مدت سے دل میں اشتیاق تھا، حسن اتفاق کہ یہ دیرینہ تمنا اس سال ماہ رجب ۱۳۵۴ھ میں برآئی، اور پنڈوہ اور لکھنوتی وغیرہ کی زیارت سے مشرف ہوا، یہ شہر جو کبھی بنگال کے پایہ تخت تھے، آج ویران پڑے ہیں، تاہم وہ آج بھی اپنے عہد کے بڑے بڑے مشائخ کے ابدی خوابگاہ ہونے کی وجہ سے روحانی تسکین کا ذریعہ ہیں، ذیل میں یہاں کے چند آثار کے حالات پیش کئے جاتے ہیں،

"فقیر حسین الدین احمد منعمی ابو العلائی"

پنڈوہ کا راستہ، میں ۱۹ رجب یوم جمعہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو چند احباب و اعزہ کے ساتھ صبح کی ٹرین سے ساؤتھ بہار ریلوے سے روانہ ہو کر بھاگلپور پہنچا، یہاں تاتار پور کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی، بعدہٗ حضرت مولینا شاہ شہباز رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا، یہاں فرخ سیر کے وقت کی خانقاہ و مسجد کی عالیشان عمارتیں ہیں، تقریبًا پانچ ہزار روپیہ کی آمدنی بھی خانقاہ کے متعلق اوسی وقت سے وقف ہے، یہ بزرگ دراصل موضع (اوساس) دہیورہ ضلع گیا کے رہنے والے تھے، بھاگلپور میں اب پورا خاندان آباد ہے، آپ کے خاندان کی مثل مشہور ہے "چڑھے گھوڑا اوڑے باز پھر شہباز کا شہباز" ۲ بجے دن کو بی اینڈ این ڈبلیو ریلوے کے ذریعہ تھانہ بہپور روانہ ہوا، ۸ بجے کٹیہار پہنچا، پھر کٹیہار سے ای، بی ریلوے میں سوار ہو کر ۱۱ بجے شب کو ادینہ پہنچا، اور یہاں سے بیل گاڑی پر ۱۲ بجے شب کو درگاہ

پنڈوہ پہنچا، یہاں سے فراغت کے بعد لکھنوتی گیا،

لکھنوتی، بنگال کے اسلامی عہد حکومت مین ابتداءً دو شہرون لکھنوتی اور پنڈوہ کو شہرت حاصل رہی ہو انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا سے ظاہر ہوتا ہے کہ پال خاندان کے راجہ لکھشمی نے گیارہوین صدی عیسوی مین بنگال کے ایک قدیم شہر گور کو اپنے نام پر لکھنوتی سے موسوم کرکے اسے راجدھانی بنایا، ۱۱۹۰ء میں قطب الدین ایبک کے ایک جزل بختیار خلجی نے اوسے فتح کیا، اور لکھنوتی ہی دار السلطنت رکھا، اسوقت سے دوسو برس تک یہ مقام بنگال کا دار السلطنت رہا، اور بختیار خلجی اور اسکے ہمراہیوں اور جانشینوں نے یہان اپنی یادگارین، مسجدین، دار العلوم اور خانقاہین بنوائین، جن کے آثار آج تک یہان موجود ہین،

پنڈوہ، پھر ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں پنڈوہ کا نام اسوقت سے آتا ہے، جب ۷۵۴ھ مطابق ۱۳۵۲ء میں حاجی الیاس حاکم بنگالہ نے بادشاہ دہلی (سلطان فیروز شاہ) سے باغی ہوکر اپنا نام سلطان شمس الدین شاہ رکھا اور بنارس تک قبضہ کرکے پنڈوہ کو دار السلطنت بنایا، جو مالدہ کے قریب ہے، بادشاہ اوس کی سرکوبی کے لئے ملک بنگالہ پہنچا، اور چند لڑائیان لڑکر تمام ملک بنگالہ پر گذر گیا، بالآخر مسلمانون کے قتل کے مواخذہ سے بچنے کے لئے اوس سے صلح کرکے دہلی واپس آیا، بعد مراجعت بادشاہ شمس الدین شاہ نے پھر سر اوٹھایا، اور حاکم سنارگانون ملک فخر الدین کو مار ڈالا، بادشاہ کو خبر ملی تو دوبارہ ۷۶۰ھ مطابق ۱۳۵۹ء میں لکھنوتی پر چڑھ آیا، لیکن بادشاہ کے پہنچنے کے قبل شمس الدین شاہ مرچکا تھا، اوس کا بیٹا سکندر شاہ جانشین ہوا، اوس نے بادشاہ سے معمولی مقابلہ کے بعد چالیس (اور بروایت تاریخ فرشتہ ۴۸) ہاتھی اور کچھ زر نقد سالانہ پر صلح کرلی، انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا (طبع یازدہم) میں پنڈوہ کے متعلق ہے:-

> یہ مشرقی بنگال اور آسام کے صوبۂ مالدہ کا ایک ویران شہر ہے جو کسی زمانہ مین مسلمانون کا دار السلطنت تھا، یہ مالدہ کے شمال مشرق جانب سات میل پر اور دوسرے ایک بڑے ویران شہر گور (لکھنوتی) سے تقریباً بیس میل پر واقع ہو، گور کی آب و ہوا کے خراب ہونے کی وجہ سے اسکو نئے طور پر آباد کیا گیا تھا، اور غالباً اسی کی وجہ سے اس کی وقعت بڑھ گئی تھی، بنگال کے پہلے خود مختار سلطان حاجی شمس الدین الیاس نے ۱۳۵۳ء میں گور کے بجائے پنڈوہ کو اپنا پایہ تخت قرار دیا، لیکن اس شہر کی سرسبزی صرف چندروزہ تھی، اسلئے کہ ۱۴۵۳ء میں پھر گور بنگال کا دار السلطنت ہو گیا، موجودہ زمانہ مین صرف ایک مسجد آدینہ باقی رہ گئی ہے، جو جیمس فرگسن کے خیال کے مطابق پٹھانون کی باقی ماندہ عمارتون میں ایک بہترین عمارت ہو، سکندر شاہ نے ۱۳۶۹ء میں اس عظیم الشان مسجد کی بنیاد رکھی تھی، گور کے مانند پنڈوہ بھی آج ویران جنگل ہو"

پنڈوہ کے اس اسلامی دور حکومت مین یہان مسلمانون کے مختلف تمدنی آثار قائم ہوئے، جن میں سے بعض قدیم چیزین جو موجود ہین یہ ہیں، بست ہزاری درگاہ (یعنی بڑی درگاہ جسکو اب بائیس ہزاری کہتے ہین) درگاہ حضرت مخدوم نور قطب عالم، سنہری مسجد، اک لاکھی مقبرہ، عالیشان و دلکش آدینہ مسجد،

بائیس ہزاری درگاہ، یہ دراصل حضرت مخدوم شیخ جلال الدین تبریزیؒ کا چلہ ہو، اس میں ایک لاکھ بگھہ زمین وقف ہو، آپ کا زمانہ حضرت مخدوم علاء الحقؒ سے پہلے گذرا ہے، صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں، کہ ان کے مناقب کتب چشتیہ میں بہت کچھ مندرج ہیں، فوائد الفواد میں حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہو، کہ شیخ جلال الدین تبریزی شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے، اپنے پیر کی وفات کے بعد حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور ایسی خدمت کی کہ کسی مرید یا غلام سے ویسی خدمت بن نہ آئی، شیخ کی خدمات انجام دینے کے سلسلہ میں بعض خارق عادت کرامات بھی تذکرون میں قلمبند ہین،

شیخ جلال الدین تبریزیؒ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے بہت محبت و مودت تھی، چنانچہ اس کا تذکرہ بزرگان چشت کی کتابون میں موجود ہے، اور دہلی مین آپ کے قیام کا یہی سبب ہوا، مگر دہلی کے زمانہ قیام میں ان سے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری کو کچھ

شکر رنجی ہو گئی، اور انہی وجوہ سے مجبوراً آپ کو دہلی چھوڑ کر بنگالہ کی طرف روانہ ہونا پڑا جس کا تذکرہ صاحب سیر المتاخرین نے بھی کیا ہے (جلد اول ص ۲۳۱) ان دونوں کے تعلقات سے متعلق تذکروں میں بعض واقعات درج ہیں، نیز انہی میں آپ کے مفصل سوانح حیات و کرامات وغیرہ ہیں،

صاحب اخبار الاخیار کی روایت کے بموجب آپ کا مزار بنگالہ میں ہے، مگر یہاں پنڈوہ میں مزار کا کوئی نشان موجود نہیں، یہاں ان دنوں آپ کا صرف وہی چلہ ہے، جو بائیس ہزاری درگاہ کے نام سے موسوم ہے، پھر صاحب سیر المتاخرین کی یہ روایت نظر سے گذری، کہ آپ بندر دیو محل میں مدفون ہیں، (جلد اول ص ۲۳۱)

اس بائیس ہزاری درگاہ میں متعدد پختہ عمارتیں ہیں، منجملہ اون کے ایک عمارت اندر سے مسجد نما بنی ہوئی ہے، اس میں پیش امام کے مصلے کی جگہ پر ایک چبوترہ چار انگشت اونچا، مصلی کی شکل کا بنا ہوا ہے، جسکو قدم رسول کی جگہ کہا جاتا ہے، مگر اب یہاں پر قدم رسول کا بھی کوئی نشان موجود نہیں ہے، اوس کے لئے دوسری جگہ ہے، اسی مسجد نما کمرے میں پورب اوتر کے گوشہ میں ویسا ہی ایک دوسرا چبوترہ مصلی نما بنا ہوا ہے، جس کو حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا چلہ کہا جاتا ہے، اس کے باہر سیاہ پتھر پر حسب ذیل کتبہ ہے،

"چو این عالی عمارت یافت ترتیب   شدہ تاریخ، روشن آستان باد
سنہ ۱۰۵۷
بسم اللہ الرحمن الرحیم، یا اللہ یا اللہ وسنہ یا اللہ، این عمارت حضرت
شاہ جلال پشت وارہ کند"

صحن مسجد سے اوتر ایک دوسری عمارت ہے، جس میں دالان کے بعد ایک کوٹھری میں مصلا نما چبوترہ ہے، جناب شاہ نعمت اللہ صاحب اسکو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کا چلہ بتاتے ہیں، اس کے باہر کا دالان صوفی خانہ کے نام سے موسوم ہے، یہاں کے متولی سید محمود المظفر الموسوی ہیں، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نسبت سے اپنے کو موسوی کہتے ہیں، یہ علی گڈہ کے تعلیم یافتہ، روشن خیال خوش عقیدہ جوان صالح ہیں،

مقبرہ حضرت اخی سراج الدین عثمانی،

حضرت اخی سراج الدین عثمانی کا مولد و مدفن دونوں لکھنوتی ہی ہے (جسے اب پھر گور کہا جاتا ہے) مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ اخی سراجؒ کے آبا و اجداد کا موروثی مکان لکھنوتی میں تھا، ابتدائی تعلیم کا زمانہ وہیں بسر ہوا، پھر تحصیل علم و عرفان کیلئے دہلی پہنچے، وہاں پہنچکر آپ حضرت محبوب الٰہی سید نظام الدین اولیاءؒ کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہوئے، پھر حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے حضور میں حاضر ہو کر شرف بیعت سے سرفراز ہوئے، حضرت باباؒ نے بیعت ہی کے وقت فرمایا، اس راہ میں سب سے پہلا درجہ علم کا ہے، چنانچہ آپ حضرت مولینا فخر الدین زرادیؒ کی خدمت میں جن کا اسوقت دہلی میں طوطی بول رہا تھا، حاضر ہو کر علم حاصل کرتے رہے، مولانا نے ان کے واسطے ایک کتاب علم صرف میں عثمانی تصنیف کی، اسکے بعد اس زمانہ کے جید عالم و اہل باطن مولینا رکن الدین سے کافیہ، مفصل اور قدوری، مجمع البحرین وغیرہ پڑھی، ابھی علوم شرعی سے فراغت بھی نہ ہوئی تھی، کہ آپ کے پیر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ نے انتقال کیا، اور انتقال کے وقت سلطان المشائخ سید نظام الدین اولیاءؒ سے حضرت نے ان کو خرقۂ خلافت عطا فرمانے کے لئے ارشاد فرمایا، چنانچہ پھر آپ حضرت محبوب الٰہی سلطان اولیاء کی خدمت میں کامل تین برس تک حاضر رہ کر تعلیم پاتے رہے، خرقۂ خلافت و اجازت کے حصول کے بعد مقام لکھنوتی تشریف لائے، اور مخدوم شاہ علاء الحق پنڈوی کو مرید کر کے اپنا خلیفہ اور جانشین قرار دیکر سنہ ۷۶۲ھ میں انتقال فرمایا،

آپ کا مزار لکھنوتی میں ہے، آپ کے مقبرہ میں اس وقت دو قبریں ہیں، نقل ہے، کہ پیر سے کچھ کپڑے بطور تبرک آپ کو ملے تھے، آپ نے اپنے خادموں سے فرمایا کہ ان تبرکات کو زمین میں قبر کی صورت بنا کر دفن کر دو، اور اوسی قبر کے پائین میں مجھے بھی دفن کرنا، چنانچہ دونوں قبریں اسوقت تک موجود ہیں، آپ کے مزار پر عمارتیں نصرت شاہ بن حسین شاہ کی بنوائی ہوئی ہیں، اس زمانہ میں اس مقام کو سعد اللہ پور کہتے تھے، ان دنوں پیران پیر کے نام سے مشہور ہے، مالدہ اسٹیشن سے تقریباً آٹھ میل پر واقع ہے،

جامع مسجد سعد اللہ پور، سعد اللہ پور میں ایک مسجد جامع بھی ہے، جسے سلطان محمود بن سلطان علاء الدین
حسین نے تعمیر کرایا ہی، (ریاض السلاطین صفحہ ۱۲۲)

مقبرہ حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی بن عمر بن اسعد لاہوری عمر بن اسعد بنگالہ کے امراے وقت میں تھے، بلکہ آپ کے کل اقربا و اعزا امراے
سلطنتِ بنگالہ سے تھے، صاحبِ اخبار الاخیار نے مخدوم علاء الحق کو ابن عمر
لاہوری لکھا ہے، مگر اور مورخین ابنِ عمر بن اسعد لاہوری لکھتے ہیں، اور سیر المتاخرین میں صرف عمر اسعد بھی ہے
(جلد اصفحہ ۳۴۳) اور انکے بیان کے مطابق آپ کے آبا و اجداد لاہور کے رہنے والے تھے، مگر والد بزرگوار کے قیام بنگالہ
کی وجہ سے حضرت مخدوم بنگال ہی میں پیدا ہوئے، عہدِ طفولیت میں والد ہی کی آغوشِ عاطفت میں
پرورش پائی، جب سنِ تمیز کو پہنچے تو تحصیلِ علوم کی طرف متوجہ ہوئے، اس وقت بنگالہ علم و فن کا مرکز
بنا ہوا تھا، کچھ تو اساتذہ کی شفقت، اور کچھ اپنی جودتِ طبع و خدا داد ذہانت سے تھوڑے ہی زمانہ میں تجر
علمی سے مالا مال ہوئے، تکمیلِ علوم کیساتھ ہی تعلیم و تدریس کا مشغلہ جاری رہا، دور دور سے طلبہ حصولِ علم
کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور دولتِ علم سے مالا مال ہو کر واپس جاتے،

کلمات الواصلین ملفوظ حضرت سید شاہ غلام حسین دانا پوری میں ہے کہ شان و شوکت سے زندگی
بسر فرماتے تھے، فرش مکلف، اس پر صدر میں چاندی کی چوکی بچھی رہتی، اس پر مسند بچھا کر آپ رونق افروز
ہوتے، طلبہ و وابستگانِ دامنِ دولت فرش پر آکر بیٹھتے، دنیاوی شان و شکوہ سے فقر و فاقہ مستی کی طرف انتقال
کے واقعات بہت پر لطف ہیں، لیکن افسوس کہ یہ انکی تفصیل کا موقع نہیں، الغرض حضرت محبوبِ الٰہی
سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ حضرت کی فقیری و درویشی کا باعث ہوئے، اور حضرت اخی
سراج الدینؒ کو دہلی سے پنڈوہ بھیج کر انھیں ان کا مرید کرایا، پھر ان کے شیخ نے ان کی زندگی ہی بدل دی
ریاضات و مجاہدات میں مصروف ہو گئے، اور اپنے شیخ کی صحبت سے فیض اوٹھا کر خود شیخ وقت بنکر
اٹھے، اور ان کی وفات کے بعد ان کے جانشیں بنے، آپکے سوانح اخبار الاخیار و تذکرۃ الکرام وغیرہ میں مفصل مذکور ہیں

[illegible]ھ میں پنڈوہ میں آپ کا وصال ہوا، وصال کے وقت آپ نے فرمایا کہ ایک سید تشریف لائے
ہیں، میرے جنازے کی نماز وہی پڑھائیں گے، چنانچہ حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیان جہان گشت
نے پہنچکر کل مراسم تجہیز و تکفین ادا کئے، اور نماز جنازہ پڑھائی، اور حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم کو آپ کا
جانشین بنایا، چندے بپاس خاطر حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم وہیں پنڈوہ میں مقیم رہے، (آئینۂ اودھ صفحہ ۱۲۹)
حضرت مخدوم علاء الحق پنڈویؒ کا مزار پنڈوہ میں بڑی مسجد سے دکھن اور تالاب سے پچھم واقع ہی
آپ کے گیارہ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں چاروں صاحبزادیوں کی قبریں بھی حضرت مخدوم علاء الحق
کے مزار سے متصل بہ سمتِ مشرق واقع ہیں،

حضرت مخدوم علاء الحق کی اہلیہ محترمہ حافظ بی بی جمال تھیں، کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت مخدوم سید
بدر الدین پیر بدر عالم بہاری کی بہن تھیں، مگر کسی کتاب سے اس کا ثبوت نہ مل سکا، انکا مزار حضرت مخدوم
کے پائیں میں احاطہ سے نیچے سیڑھی کے پچھم واقع ہی،[1]

چلہ حضرت جہانیاں جہان گشت، یہاں حضرت مخدوم علاؤ الحق جہانیان جہان گشتؒ کا چلہ بھی بڑی مسجد سے پورب
اور تالاب سے اتر، اور پچھم گوشہ پر واقع ہے، جو آجتک زیارت گاہ خاص و عوام ہے، سچ کہا ہی کسی نے،

برزمینے کہ نہادی قدمِ ناز ہمان، سجدہ گاہِ صنم گبر و مسلمان شد نیست

مقبرہ حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم پنڈوی، حضرت مخدوم شاہ نور الدین احمد معروف بہ نور قطب عالم
پنڈویؒ حضرت مخدوم شاہ علاء الحق پنڈویؒ کے خلف الرشید اور خلیفہ و جانشیں تھے، آپکے بہ کثرت خارق
عادت حالات بیان کئے جاتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ آپ کی ولادت کے قبل بغداد شریف سے ایک بی بی

[1] آپ کے دو خلفا سے ہندوستان میں آپ کا سلسلہ زیادہ پھیلا ہے، اول حضرت مخدوم نور قطب عالم اور دوسرے
حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی، انکے علاوہ سید عطاء اللہ بغدادی (بن حسین بن علا بن سلطان
ابن ابراہیم گیسو دراز) کے واسطہ سے بھی مجھے سلسلہ پہنچا ہے (یعنی یہ بھی حضرت مخدوم علاؤ الحق پنڈوی کے خلیفہ و مجاز تھے،

تشریف لائیں، اور انھوں نے بیان کیا کہ میں حضرت غوث الثقلین قطب ربانی مولانا محی الدین سید عبد القادر جیلانی کے خاندان سے ہوں، مجھے بشارت ہوئی کہ بنگالہ میں ایک نور روشن ہونے والا ہے، اس کی پرورش تیرے سپرد ہے، چنانچہ کچھ دنوں رہنے کے بعد حضرت نور قطب العالم اپنی والدہ ماجدہ کے بطن سے پیدا ہوئے، ولادت ہی کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا، اور طفل نوزائیدہ کی پرورش بغدادی بی بی صاحبہ کے سپرد ہوئی، بغدادی بی بی رحمہا اللہ کا مزار تالاب نکل کر درگاہ پر آنے کے راستہ کے گوشہ میں واقع ہے، ابتدائی فارسی عربی تعلیم کے بعد شیخ حمید الدین گنج نشین سے علوم کی تحصیل کی، سلطان غیاث الدین کے ہمسبق تھے، ریاض السلاطین حصہ دوم صفحہ ۱۰۰ میں ہے کہ

"سلطان غیاث الدین (ابن سکندر شاہ ابن شمس الدین الیاس شاہ) از ابتدائے حال با حضرت نور قطب عالم قدس اللہ سرہ اعتقاد تمام داشت و ہمعمر و ہم سبق بودند، چنانچہ ہر دو بخدمت شیخ حمید الدین کنج نشین ناگوری کسب علم نمودہ بودند"

تحصیل و تکمیل علوم ظاہر سے فرصت ہوئی، تو ریاضات و مجاہدات کی طرف متوجہ ہوئے خصوصًا آپ نے مجاہدات نفسی بہت کئے ہیں، کئی برس تک اپنے پیر و مرشد یا والد بزرگوار کی خانقاہ میں جاروب کشی و ہیزم کشی وغیرہ کی خدمت انجام دیتے رہے، (ریاض السلاطین و رفیق العارفین ملفوظ حضرت شاہ حسام الدین مانکپوری و اخبار الاخیار وغیرہ)

حضرت نور قطب عالم کا وصال ۱۳ ذیقعدہ ۸۱۸ھ میں ہوا ہے، اور بعض روایات کے اعتبار سے ۸۵۱ھ اور سیر المتاخرین کے بیان کے بموجب ۸۵۱ھ میں،

آپ کے مزار کے چاروں گوشہ پر چار مینار بلند ہیں جن میں شامیانہ کی ڈور باندھی جاتی ہے، اور پانچواں مینار سرہانے ہے، جو چراغدان کے کام میں آتا ہے، اسمیں ذیل کی عبارت کندہ ہے:

تاریخ شہر ربیع الاول سنہ ہزار و ہشت کمترین گدا ابن خان الملکت پریزاد خان، این

ستون را بملک ہمپایۂ آستانہ حضرت برہان الحق والدین شیخ نور قطب عالم بہ نذر فرستاد"

یہ پانچوں ستون بظاہر سرخ رنگ کے ہیں، مگر ہاتھ سے رگڑنے سے ہاتھ زرد ہو جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ مینارے زبرجد کے ہیں،

صاحبزادوں کے مزار، آپ کے خلفاء میں دو خلیفے جلیل القدر ہوئے، اور ان دونوں سے آپ کا سلسلہ بہت شائع ہوا، اول مخدوم سید شاہ فرید الدین طویلہ بخش بہاری[1] اور دوسرے حضرت مخدوم شاہ حسام الدین مانکپوری حضرت نور قطب عالم کے دو صاحبزادوں کا تذکرہ اخبار الاخیار میں ہے، بڑے مولانا شیخ رفعۃ الدین نہایت بزرگ و متواضع و منکسر و صاحب حال تھے، دوسرے مولانا شیخ انور دونوں کے مزار والد بزرگوار کے پائین میں ہیں،

مزار شیخ زاہد، حضرت مخدوم مولانا شاہ زاہد نبیرہ حضرت نور قطب عالم مرید و مسترشد حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری کے متعلق عوام میں مشہور ہے، کہ مولانا شیخ انور کے صاحبزادے ہیں، مگر ریاض السلاطین کی عبارت بتلاتی ہے، کہ مولانا شیخ انور کے برادر زادہ ہیں یعنی مولینا رفعۃ الدین کے صاحبزادہ ہیں، آپکا مزار حضرت مخدوم قطب العالم کے مزار سے دکھن جنبتی دروازہ کی راہ کے بعد دوسرے احاطہ میں ہے،

[1] حضرت مخدوم سید شاہ فرید الدین طویلہ بخش بہاری، ابن سید ابراہیم ابن سید جمال اولیا ابن سید محمد بداونی ابن سید علی بخاری جد حضرت محبوب الہی قدس سرہ حضرت محبوب الہی کے والد بزرگوار سید احمد بداونی و سید محمد براونی، دونوں حقیقی بھائی تھے، صاحب فخر الانساب ص۲۳ میں فرماتے ہیں، کہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی کے دہلی پہنچنے کے قبل آپ کے حقیقی بھائی سید محمد جمال الدین نے قصبہ بدایون میں ایک لڑکا سید ابراہیم چھوڑ کر انتقال فرمایا، اور یہ لڑکا تربیت میں حضرت محبوب الہی کے پرورش پایا، حضرت مخدوم اخی سراج الدین جب بنگالہ تشریف لائے تو ان کے ہمراہ سید ابراہیم بھی آئے، یہاں حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی نے اپنی سالی سے ان کی شادی کر دی، صاحب مخزن الانساب لکھتے ہیں:

مسجد حضرت مخدوم نور قطب عالم، حضرت نور قطب عالم کے مزار سے اوتر ایک چھوٹی قناتی مسجد ہے جو انکی وفات کے بعد سلطان شمس الدین ابوالمظفر یوسف شاہ کے عہد میں ۸۲۴ھ میں تعمیر کی گئی، اس مسجد پر حسب ذیل کتبہ کندہ ہے ،:-

(کتبہ مسجد بالین حضرت مخدوم نور قطب عالم،)

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، من بنی مسجداً بنی اللہ لہ قصراً فی الجنۃ

بنی ھذا المسجد فی عھد السلطان العادل شمس الدنیا والدین ابوالمظفر

یوسف شاہ سلطان ابن السلطان محمود شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ

وسلطنتہ فی سنۃ ثمانمائۃ اربع عشرین رجب" ۸۲۴ھ

اک لاکھی مقبرہ، اک لاکھی مقبرہ میں بنگال کا سلطان جلال الدین مدفون ہے، اس علاقہ کا ایک ہندو زمیندار کنس نامی تھا، اس نے سلطان شمس الدین کے بعد آہستہ آہستہ اپنا اقتدار بڑھانا شروع کیا، پھر سلطان شمس الدین ثانی کے انتقال کے بعد ۸۰۰ھ میں راجہ بن بیٹھا مسندِ حکومت پر بیٹھ کر ظلم وسفاکی کرنے لگا، حضرت

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۱) "سید ابراہیم ہمراہ حضرت اخی سراج رحمۃ اللہ علیہ بہ لکھنوتی آمد، و در آنجا رسم ازدواج ادائے نمود و با ہمشیرۂ زوجہ حضرت شیخ علاء الحق پنڈوہ کتخدا گردید، وی را یک پسر سید اشد مخدوم شیخ فرید الدین طویلہ بخش کہ حضرت ایشان در بہار بمحلہ چاند پورہ حسب لایت چشتیان اقامت پذیرشدند"

حضرت مخدوم سید فرید الدین طویلہ بخش کی شادی حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کی صاحبزادی سے ہوئی انھیں کو اولاد ہوئی، آپ حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم کے مرید وخلیفہ تھے، آپ سے بھی بہت سلسلہ پھیلا ہے، بہار محلہ چاند پورہ میں آپ کا مزار مرجع خاص وعام ہے، ۸۰۵ھ میں وصال ہوا ہے،

حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کے دوسرے داماد مولینا تاج الدین اسپیجانی تھے، آپ کا بہت مختصر تذکرہ اخبار الاخیار ص ۱۵۵ میں زیر تذکرہ شیخ سنجانی مندرج ہے،

نور قطب عالم نے یہ رنگ دیکھ کر سلطان ابراہیم شرقی کو خط لکھا، وہ آپ کی طلبی پر جونپور سے روانہ ہوا، کنس یہ سن کر گھبرایا، اور پریشان خاطر ہو کر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ کسی طرح سلطان ابراہیم سے اس ملک کو بچایئے، حضرت نے فرمایا کہ وہ تو میرے اشارہ ہی سے آرہا ہے، میں کچھ نہیں کرسکتا بجز اس کے کہ تو مسلمان ہو جا، اوس نے اس کو بھی منظور کیا، مگر اسکی بیوی مانع ہوئی، بالآخر کنس نے اپنے دوازدہ سالہ لڑکے جدو[1] نامی کو لا کر پیش کیا کہ اسے مسلمان کر کے تخت سلطنت پر بٹھایئے، میں دست بردار ہو کر گوشہ گیر ہوتا ہوں، چنانچہ حضرت نے اسکو مسلمان کر کے جلال الدین نام رکھا، اوسی وقت منادی کر دی گئی، اور خطبہ سلطنت اس کے نام کا پڑھا گیا، اور سلطان ابراہیم شرقی واپس گیا، اسکے بعد کچھ دنوں تک تو امور شرع کی تبع سلطنت رہی، پھر جب کنس نے سلطان ابراہیم شرقی کے انتقال کی خبر سنی، تو اس نے جلال الدین کو معزول کر کے سلطنت کی باگ سنبھال لی، اور چاہا کہ جلال الدین بھی دین ومذہب سے پھر جائے، مگر وہ اس پر آمادہ نہیں ہوا، اور کنس نے مسلمانوں پر پھر ظلم وستم شروع کر دیا، اور خصوصاً آپ کے خادموں اور متعلقین پر مظالم ڈھانے لگا، یہاں تک کہ خانقاہ کا اسباب واثاثہ لوٹ لیا، آپ کے صاحبزادے شیخ انور اور آپ کے نبیرہ شیخ زاہد کو گرفتار کر کے سنار گاؤں لے گیا، اور وہاں شیخ انور کو قتل کرا دیا، لیکن تائید ایزدی سے اس اثنا میں خود اسکی قضا آپہنچی، اس کے بعد پھر جلال الدین نے تخت سلطنت پر جلوس کیا، اور حضرت شیخ زاہد کو سنار گاؤں سے بلا کر اعزاز واحترام سے جگہ دی،[2]

جلال الدین نے سترہ سال تک پنڈوہ میں سلطنت کی، اور ۸۱۲ھ میں وفات پائی، کہا جاتا ہے، کہ اس کی وفات کے بعد اس کے خاندان والوں نے ایک لاکھ کی لاگت سے پنڈوہ میں اوس کا مقبرہ

[1] تاریخ فرشتہ میں اس لڑکے کا نام چن مل ہے، [2] یہ تفصیلات ریاض السلاطین سے ماخوذ ہیں، فرشتہ میں بھی راجہ کنس کا سرسری ذکر آیا ہے، اسکے بیان کے مطابق اس نے خود اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن دل سے مسلمان نہیں ہوا تھا اسکے بعد جلال الدین نے سچے دل سے اسلام قبول کیا،

مسجد حضرت مخدوم نور قطب عالم، حضرت نور قطب عالم کے مزار سے اوتر ایک چھوٹی قناتی مسجد ہے جو انکی وفات کے بعد سلطان شمس الدین ابوالمظفر یوسف شاہ کے عہد میں ۸۲۴ھ میں تعمیر کی گئی، اس مسجد پر حسب ذیل کتبہ کندہ ہے :۔

(کتبہ مسجد بالین حضرت مخدوم نور قطب عالم،)

قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم من بنی مسجداً بنی اللہ لہ قصراً فی الجنۃ

بنی ھذا المسجد فی عھد السلطان العادل شمس الدنیا والدین ابوالمظفر

یوسف شاہ سلطان ابن السلطان محمود شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ

وسلطنتہ فی سنۃ ثمانمائۃ اربع عشرین رجب" ۸۲۴ھ

اک لاکھی مقبرہ، اک لاکھی مقبرہ میں بنگال کا سلطان جلال الدین مدفون ہے، اس علاقہ کا ایک ہندو زمیندار کنس نامی تھا، اس نے سلطان شمس الدین کے بعد آہستہ آہستہ اپنا اقتدار بڑھانا شروع کیا، پھر سلطان شمس الدین ثانی کے انتقال کے بعد ۸۱۶ھ میں راجہ بن بیٹھا مسندِ حکومت پر بیٹھ کر ظلم و سفاکی کرنے لگا، حضرت

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۱) "سید ابراہیم ہمراہ حضرت اخی سراج رحمۃ اللہ علیہ بہ لکھنوتی آمد، و درآنجا رسم ازدواج ادائے فرمودہ با ہمشیرۂ زوجہ حضرت شیخ علاء الحق پنڈوہ کتخدا گردید، ویرا یک پسر بیدا شد مخدوم شیخ فرید الدین طویلہ بخش کہ حضرت ایشان در بہار بمحلہ چاندپورہ حسب لایت چشتیان اقامت پذیر شدند"

حضرت مخدوم سید فرید الدین طویلہ بخش کی شادی حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کی صاحبزادی سے ہوئی، انھیں کو اولاد ہوئی، آپ حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم کے مرید و خلیفہ تھے، آپ سے بھی بہت سلسلہ پھیلا ہے، بہار محلہ چاندپورہ میں آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے، ۸۵۰ھ میں وصال ہوا ہے،

حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کے دوسرے داماد مولینا تاج الدین اصفہانی تھے، آپ کا بہت مختصر تذکرہ اخبار الاخیار ص ۱۵۵ میں زیر تذکرہ شیخ سمنانی مندرج ہے،

نور قطب عالم نے یہ رنگ دیکھ کر سلطان ابراہیم شرقی کو خط لکھا، وہ آپ کی طلبی پر جونپور سے روانہ ہوا، کنس یہ سن کر گھبرایا، اور پریشان خاطر ہو کر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ کسی طرح سلطان ابراہیم سے اس ملک کو بچایئے، حضرت نے فرمایا کہ وہ تو میرے اشارہ ہی سے آرہا ہے، میں کچھ نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ تو مسلمان ہو جا، اوس نے اس کو بھی منظور کیا، مگر اسکی بیوی مانع ہوئی، بالآخر کنس نے اپنے دوازدہ سالہ لڑکے جدو[1] نامی کو لا کر پیش کیا کہ اسے مسلمان کر کے تخت سلطنت پر بٹھایئے، میں دست بردار ہو کر گوشہ گیر ہوتا ہوں، چنانچہ حضرت نے اسکو مسلمان کر کے جلال الدین نام رکھا، اوسی وقت منادی کر دی گئی، اور خطبہ سلطنت اس کے نام کا پڑھا گیا، اور سلطان ابراہیم شرقی واپس گیا، اسکے بعد کچھ دنوں تک تو امور شرع کی تبع سلطنت رہی، پھر جب کنس نے سلطان ابراہیم شرقی کے انتقال کی خبر سُنی، تو اس نے جلال الدین کو معزول کر کے سلطنت کی باگ سنبھال لی، اور چاہا کہ جلال الدین بھی دین و مذہب سے پھر جائے، مگر وہ اس پر آمادہ نہیں ہوا، اور کنس نے مسلمانوں پر پھر ظلم و ستم شروع کر دیا، اور خصوصاً آپ کے خادموں اور متعلقین پر مظالم ڈھانے لگا، یہاں تک کہ خانقاہ کا اسباب و اثاثہ لوٹ لیا، آپ کے صاحبزادے شیخ انور اور آپ کے نبیرہ شیخ زاہد کو گرفتار کر کے سنار گاؤں لے گیا، اور وہاں شیخ انور کو قتل کرا دیا، لیکن تائید ایزدی سے اس اثناء میں خود اسکی قضا آپہنچی، اس کے بعد پھر جلال الدین نے تخت سلطنت پر جلوس کیا، اور حضرت شیخ زاہد کو سنار گاؤں سے بلا کر اعزاز و احترام سے جگہ دی،[2]

جلال الدین نے سترہ سال تک پنڈوہ میں سلطنت کی، اور ۸۱۲ھ میں وفات پائی، کہا جاتا ہے، کہ اس کی وفات کے بعد اس کے خاندان والوں نے ایک لاکھ کی لاگت سے پنڈوہ میں اوس کا مقبرہ

[1] تاریخ فرشتہ میں اس لڑکے کا نام چن مل ہے، [2] یہ تفصیلات ریاض السلاطین سے ماخوذ ہیں، فرشتہ میں بھی راجہ کنس کا سرسری ذکر آیا ہے، اسکے بیان کے مطابق اس نے خود اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن دل سے مسلمان نہیں ہوا تھا اسکے بعد جلال الدین نے سچے دل سے اسلام قبول کیا،

بنوایا، اسی مناسبت سے اِک لاکھی مقبرہ کے نام سے مشہور ہوا، مقبرہ میں اسکی بیوی اور لڑکے کی قبرین بھی اس کے پہلو میں ہین، (ریاض السلاطین،)

سونا مسجد، اِک لاکھی مقبرہ کے بائین جانب ایک بہت وسیع مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے، لوگ اسے سونا مسجد کہتے ہین، کہا جاتا ہو کہ اس کی چھت کسی زمانہ میں سونے کی تھی، یا اس پر سنہری قلعی تھی، اسوقت چھت موجود نہیں ہو، صرف ننگی دیوارین کھڑی ہیں،

آدینہ مسجد، آدینہ مسجد پنڈوہ کے مشہور آثار مین ہے، اس کو الیاس شاہ کے بیٹے سکندر شاہ نے ۷۶۶ھ میں تعمیر کرایا تھا (ریاض السلاطین ص۱۰۱) سکندر شاہ کا مزار بھی مسجد کے بغل میں واقع ہو، مسجد کی عمارت عالیشان اور دلکش ہے، اور اسوقت تک اچھے حال میں ہو، انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کے اقتباس بالا میں اسی کا ذکر آیا ہے،

سیرۃ النبی جلد پنجم

اس جلد کا موضوع عبادات ہے، اس میں پہلے عبادت کی حقیقت اور اس کے انواع و اقسام کا بیان ہو، پھر فرائض خمسہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، اور جہاد میں سے ہر ایک پر علٰحدہ علٰحدہ سیر حاصل بحثیں ہین، پھر توکل، صبر، اخلاص، تقویٰ، اور شکر کے معانی و مطالب قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھائے گئے ہین،

تقطیع کلان، ضخامت ۳۰۰ صفحات، قیمت قسم اعلیٰ ۵ قسم دوم للعہ

چینی مسلمان

چین کے مسلمانون کا تعلق آغاز اسلام سے رہا ہو، اس زمانہ میں بھی کروڑون مسلمان وہان آباد ہین، وہان کے مسلمانون کے مستند مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالات کا ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے ہندستانی زبان میں لکھے ہین کہ مسلمانان ہند اپنے ان دور افتادہ بھائیوں کے حالات سے آگاہ ہون ضخامت ۲۴۴ صفحے قیمت صرف عہ، "منیجر"

تلخیص و تبصرہ

جامعۂ طہران کا شعبۂ دینیات و فلسفہ

رسالہ مسلم ورلڈ امریکہ بابت ماہ جنوری ۱۹۳۶ء مین جامعہ طہران کے شعبۂ دینیات و فلسفہ پر ایک مقالہ شائع ہوا ہے، اس کی تلخیص درج ذیل ہو:-

رضا شاہ پہلوی کے فرمان کے بموجب سپہ سالار کلیۂ دینیہ جو مسجد سپہ سالار، طہران میں قائم تھا، جامعہ طہران کا شعبۂ دینیات و فلسفہ قرار دیدیا گیا ہو، جامعہ طہران ایران کی وزارت تعلیم کی جدید یونیورسٹی ہے (جس کے بنا و قیام کے حالات معارف جلد ۴۴ نمبر ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء میں شائع ہو چکے ہین) ۱۸۷۹ء (۱۲۹۶ھ) مین حاجی مرزا حسین خان سپہ سالار نے ایک مسجد اور اس کے اندر مدرسہ کے قیام کے لئے کچھ زمین اور سرمایہ وقف کر دیا تھا، اور اس وقف کا متولی شاہ ایران کو قرار دیا تھا، تعمیر کا کام شروع ہونے کے چند ہی دنون بعد حاجی مرزا حسین خان کا انتقال ہوگیا، لیکن ان کے انتقال کے بعد بھی سات سال تک تعمیر کا سلسلہ ان کے ایک بھائی یحییٰ خان مشیر الدولہ کے زیر نگرانی جاری رہا، تاہم اس طویل مدت میں تعمیر مکمل نہ ہو سکی، اور یحییٰ خان کی وفات کے بعد یہ نامکمل ہی رہ گیا، تقریباً چالیس سال کے بعد ۱۲ جنوری ۱۹۳۱ء کو رضا شاہ پہلوی نے وزارت تعلیم کو حکم دیا کہ اس مدرسہ کی ازسرنو تنظیم کی جائے، اور عمارت مکمل کر دی جائے، چنانچہ اسی سال ایک جدید نصاب تعلیم مرتب کیا گیا، جس میں ثانوی تعلیم کے لئے چھ سال اور اعلیٰ تعلیم کے لئے تین سال کی مدت مقرر کی گئی، داخلہ کے لئے مقابلہ کے امتحانات رکھے گئے، اور پہلے سال تیس امیدوارون کو داخل کیا گیا جنہیں سے ۱۵ کے لئے ایک سو بیس ریال ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا ہو، اور تعلیم بلا معاوضہ رکھی گئی ہو،

وزارتِ تعلیم کے اس جدید نظام سے ان حالات کی بہت کچھ اصلاح ہوگئی، جو اس سے پیشتر موجود تھے، پہلے باوجود اس کے کہ کلیہ سپہ سالار میں دینیات کے طلبہ رہتے اور تعلیم پاتے تھے، تعلیم کا کوئی باقاعدہ نصاب نہ تھا، اور نہ داخلہ اور تکملہ کے امتحانات مقرر تھے، مختلف اساتذہ وقتاً فوقتاً درس دیا کرتے تھے، اور درس کی شرکت کے لئے بھی طلبہ پر کوئی پابندی نہ تھی، اب یہ تمام باتین جدید نظام نے بدل دی ہین، کلیۂ دینیہ مین نہ صرف تعلیم کا نصاب باقاعدہ طور پر مرتب کر دیا گیا ہے، بلکہ دوسری بے عنوانیان بھی موقوف ہوگئی ہین، شلاً پہلے مسجد کی عمارتوں میں بہتیرے ایسے طلبہ رہتے تھے، جو کلیہ دینیہ میں تعلیم حاصل نہ کرتے، بلکہ غیر مذہبی مدرسوں میں جاتے تھے، حالانکہ ان میں سے بعض کو کلیہ کے وقف سے تعلیمی وظائف بھی دیئے جاتے تھے، وزارتِ تعلیم نے مسجد اور اسکی عمارتون کو اپنی نگرانی میں لینے کے بعد پہلا کام یہ کیا، کہ اُن تمام لوگون کو جو وہان رہتے تھے، نکال دیا، اور پھر عمارتون کی مرمت اور اس کے مختلف حصون کی تکمیل کا کام جاری کر دیا، کلیہ کے بانی نے تقریباً چار ہزار کتابین جنمیں بہت سے بیش قیمت قلمی نسخے بھی تھے، مدرسہ کے لئے وقف کر دی تھیں، وزارتِ تعلیم نے ان کتابون کی ایک فہرست مرتب کرادی ہے اور جدید کتابون کا اضافہ بھی کیا ہے،

۱۹۳۴ء میں جامعہ طہران کے قائم ہونے پر سپہ سالار کلیہ دینیہ کے نصاب تعلیم پر نظرِ ثانی کی گئی، اور یہ کلیہ جامعہ طہران کا شعبہ دینیات و فلسفہ قرار پایا، اسمیں دینیات، فلسفہ، اور ایران و عرب کے ادب کی تعلیم دی جاتی ہے، پوری تعلیم کی مدت نو سال ہے، جو تین تین سال کے تین دورون مین تقسیم ہے، پہلا ابتدائی دور وزارتِ تعلیم کے ثانوی مدارس کے دوسرے دور کے برابر ہے، جو طلبہ شعبۂ دینیات و فلسفہ کے پہلے دور میں داخل ہونا چاہتے ہیں، انھیں ثانوی مدارس کے پہلے دور کی سند حاصل کرنا ضروری ہے، پہلے تین سال کی تعلیم حقیقۃً جامعہ کی تعلیم میں شامل نہیں ہے، بلکہ یہ مدت شعبۂ دینیات کے داخلہ کی تیاری کے لئے رکھی گئی ہے، چنانچہ کلیہ دینیہ کے داخلہ کے لئے ضروری ہے کہ دینیات کے اس ابتدائی دور کی سند حاصل ہو چکی ہو،

کلیہ کی اعلیٰ تعلیم کے طلبہ اپنے لئے ان تینون مضامین مین سے کوئی ایک مضمون منتخب کر لیتے ہین یعنی دینیات، فلسفہ اور ادب تین سال کی تعلیم کے بعد ان مین سے ہر مضمون مین ایک آخری اور جامع امتحان ہوتا ہے، جو طلبہ اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہین، انھین اپنے شعبہ کی سند فراغ مل جاتی ہے، یہ سند جامعہ کے دوسرے شعبون کی سند فراغ کے برابر ہوتی ہے، جو لوگ کلیہ دینیہ کے آخری تین سال کے دور میں بھی شریک ہوتے ہین، اور اس کے آخری امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہین ان کو وہ سند ملتی ہے، جو جامعہ کے دوسرے شعبون کے ڈاکٹر (فاضل) کی سند کے برابر ہوتی ہے، چنانچہ جو لوگ اس آخری دور کی تکمیل دینیات مین کرتے ہین، ان کو فقیہ کی سند ملتی ہے، جو فلسفہ میں کرتے ہین، انھین حکیم کی، اور جو ایرانی اور عربی ادب میں کرتے ہیں، انھیں ادیب کی سند ملتی ہے،

سندِ فراغ حاصل کرنے والے حکومتِ ایران کے کسی ثانوی مدرسہ مین اپنے مضمون کے اُستاد مقرر ہو سکتے ہیں، اسی طرح فضیلت کی سند حاصل کرنے والے اپنے مضمون کے استاد جامعہ میں مقرر ہو سکتے ہین، اگر فضیلت کی سند رکھنے والون نے شاہی کلیہ اساتذہ (اسٹیٹ ٹیچرس کالج) سے فنِ تعلیم کی سند بھی حاصل کرلی ہے، تو تقرر کے وقت انھین کو ترجیح دیجاتی ہے،

معمولی درسون اور امتحانون کے علاوہ ہر مضمون میں اساتذہ مختلف طلبہ کے لئے مختلف موضوع منتخب کر دیتے ہین، جن پر وہ مقالات لکھ کر بحث و مباحثہ کے لئے اساتذہ اور اپنے ہمدرسون کے سامنے پیش کرتے ہین، اسی طرح ہر دور کے آخر میں آخری امتحانات کے علاوہ امیدوارون کو کسی خاص موضوع پر ایک مقالہ بھی پیش کرنا پڑتا ہے،

اس جدید نظام کے جاری ہونے کے بعد پہلی بار جون ۱۹۳۴ء میں سند فراغ کے آخری امتحان میں طلبہ شریک ہوئے، اور ۱۹۳۵ء میں شرکت کرنے والون کی تعداد ستائیس تک پہنچ گئی، ابھی تک فضیلت

کے امتحان کے لئے کوئی طالب علم تعلیم کی پوری مدت ختم نہین کر سکتا ہی،

اسوقت شعبۂ دینیات و فلسفہ مین چودہ اساتذہ ایسے ہین، جو پورا وقت تعلیم مین دیتے ہین، اور ... ایسے ہین جو کچھ وقت دیتے ہین، یہ لوگ اپنی علمی لیاقت اور سابق تجربہ کی بنا پر منتخب کئے گئے ہین، جہانتک علمی لیاقت اور معلومات کا تعلق ہے، اس شعبہ کی حیثیت بہت بلند ہے،

شعبۂ دینیات و فلسفہ مین جن مضامین کی تعلیم ہوتی ہے، وہ حسب ذیل ہین، اس فہرست مین صرف آخری چھ سال کے دو دورون کا نصاب درج ہے، ابتدائی دور مین جو پہلے تین سال پر مشتمل ... منجملہ دیگر مضامین کے ایرانی زبان وادب، عربی قواعد زبان وادب، تاریخ ایران، مبادیات فقہ، اصول ... فقہ، خطابت اور کچھ ریاضیات کی تعلیم دی جاتی ہی،

۱۔ شعبۂ دینیات

وہ مضامین جو پہلے سہ سالہ دور مین پڑھائے جاتے ہین :-

(۱) فقہ، (۲) اصول، (۳) کلام، (۴) تفسیر، (۵) علوم ادبیہ (عربی زبان کی تعلیم، عربی قواعد اور بلاغت، عربی نظم، کچھ ایرانی ادب) (۶) علوم درایت (احادیث کی جرح و تعدیل) (۷) منطق و فلسفہ الہیات (۸) تاریخ ادب عربی (۹) فرانسیسی زبان،

وہ مضامین جو دوسرے سہ سالہ دور مین پڑھائے جاتے ہین :-

(۱) فقہ (۲) اصول، (۳) فلسفہ، (۴) تفسیر، (۵) تاریخ ملل ونحل و دینیات اسلام، (۶) فقہ الحدیث یعنی اسلام کی حدیثیں (یعنی وہ حدیثین جو بارہ اماموں سے منسوب ہین) مع ان مسائل کے جو ان حدیثوں سے مستنبط کئے گئے ہین (۷) علوم ادبیہ،

۲۔ شعبۂ فلسفہ

وہ مضامین جو پہلے سہ سالہ دور مین پڑھائے جاتے ہین :-

(۱) کلام، (۲) منطق، حکمت نظری و عملی، (۳) تاریخ ادب عربی، (۴) علوم ادبیہ، (۵) تاریخ ملل ونحل، تاریخ دینیات اسلام (۶) تفسیر، (۷) فرانسیسی زبان،

وہ مضامین جو دوسرے سہ سالہ میں پڑھائے جاتے ہین :-

(۱) فلسفہ اشراق و مشائیہ، (۲) تاریخ فلسفہ، (۳) تفسیر، (۴) عرفان (تصوف)

۳۔ شعبۂ ادب

وہ مضامین جو پہلے سہ سالہ دور میں پڑھائے جاتے ہین :-

(۱) صرف و نحو عربی، (۲) تاریخ ادب عربی، (۳) معانی و بیان و بدیع عربی (۴) ایرانی زبان، اور تاریخ ادب ایران، (۵) معانی و بیان و بدیع فارسی (۶) تاریخ ایران اور عمومی تاریخ عالم، (۷) فقہ و اصول، (۸) منطق و فلسفہ (۹) فرانسیسی زبان،

وہ مضامین جو دوسرے سہ سالہ دور میں پڑھائے جاتے ہین :-

(۱) صرف و نحو عربی، (۲) معانی و بیان و بدیع، (۳) عروض و قوافی، (۴) فقہ و اصول، (۵) تفسیر (۶) فلسفہ اور تاریخ فلسفہ، (۷) تاریخ ادب ایران، (۸) قراۃ الشعر (نقد و تقریظ)، (۹) تاریخ ملل ونحل (۱۰) فرانسیسی زبان،

"ع ۔ ز"

روس کا آہنی مرد

سویٹ روس کے مختار مطلق کو ملک نے اسٹالن کا لقب دے رکھا ہی، اسٹالن کے معنی فولاد ہین، اس کا اصلی نام یوسف ویساریونووچ جوگاش ویلی (YOSEF VISSARIONOUITCH DJUGASHUILI) ہے، اب سے چھپن سال پہلے وہ جیارجیا کے علاقہ مین تفلس کے قریب گوری نامی ایک موضع مین ایک نہایت غریب گھر مین پیدا ہوا تھا، آج وہ دنیا کا سب سے بڑا ڈکٹیٹر ہے،

اسکی صورت شکل میں کوئی امتیازی خصوصیت نہین ہے، اس کا قد صرف پانچ فٹ پانچ انچ ہی،

اُسکے گھنے بالوں میں کچھ سفیدی آرہی ہے اُسکی مونچھیں اور بھوئیں سیاہ اور گھنی ہیں، آنکھیں بہت چمکدار ہیں،
بیضاوی، اور ناک طوطے کی چونچ جیسی ہے، اُسکا وزن اوسط درجہ کا ہے،

اُس کا باپ ایک کسان تھا جو موچی کا پیشہ کرتا تھا، اس کی ماں بھی کسان تھی، لیکن اُس نے لڑکے کو باپ کا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت نہ دی، بلکہ اُسے ایک مذہبی مدرسہ میں بھیجا، یوسف نے اس مدرسہ میں چار سال رہ کر تعلیم چھوڑ دی، بعض لوگوں کا بیان ہے کہ تعلیم چھوڑنے کا سبب صحت کی خرابی تھی، بعض کہتے ہیں کہ سیاسی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے وہ مدرسہ سے خارج کر دیا گیا، بہرحال مدرسہ سے نکلنے کے بعد وہ ایک "پیشہ ور انقلابی" ہو گیا، اور پھر بتدریج ترقی کرتا ہوا بولشیوک جماعت کا ایک رکن ہو گیا، اس جماعت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتا رہا،

اسٹالن روس کا مختار مطلق ہونے کے باوجود ضابطہ کے لحاظ سے سوویٹ حکومت کا صرف ایک معمولی عہدہ دار ہے، وہ حکومت کی مرکزی مجلس عاملہ کا جس کے ارکان کی تعداد تین سو یا اس سے کچھ کم و بیش ہے ایک معمولی رکن ہے، تاہم وہ اس وقت روس کا سب سے زیادہ طاقتور آدمی ہے، وہ روس کی کمیونسٹ پارٹی کا سکریٹری ہے لیکن خود روسی نہیں ہے، اس کی تعلیم ایک مذہبی مدرسہ میں ہوئی ہے، لیکن وہ اپنی قوت سے مذہب کو فنا کرنے کی کوشش کر رہا ہے، وہ کوئی اقتصادیات کا ماہر نہیں ہے، لیکن اقتصادی تعمیر کی سب سے بڑی تجویز یعنی روس کی "پنج سالہ تجویز" اُسی کے دماغ کی پیداوار تھی،

یوں تو ہر شخص کو اسٹالن سے متعلق کچھ نہ کچھ واقفیت ہے، لیکن حقیقۃً کوئی بھی اُسے نہیں جانتا، یہاں تک کہ اُس کا معتمد سکریٹری بھی اسے نہیں جانتا، اُسے نمایش کا بالکل خیال نہیں ہے، جاڑوں میں وہ گہرے سبز رنگ کا فوجی وضع کا کوٹ اور خاکی برجس پہنتا ہے، یہی لباس اس کے پیرووں نے بھی اختیار کر لیا ہے، وہ برابر پائپ پیتا رہتا ہے، اور بیان کیا جاتا ہے، کہ پائپ کے لئے اُسے امریکہ کی تمباکو زیادہ پسند ہے، لیکن اس غیر روسی پیداوار کو علانیہ استعمال کرنے میں اُسے تامل ہوتا ہے،

دسترخوان پر بھی مختلف کھانوں کے درمیان وہ تمباکو پیتا رہتا ہے،

اسٹالن کتب بینی کا بہت عادی ہے، وہ شطرنج اور شراب کا شائق ہے، لیکن اعتدال سے زیادہ نہیں پیتا، تھیٹر کا بھی اُسے بہت شوق ہے،

روس کے باہر لوگ خیال کرتے ہیں، کہ اسٹالن کا طرز معاشرت ویسا ہی ہوگا، جیسا دنیا میں اشتمالیت کے سب سے بڑے قائد کا ہونا چاہئے، لیکن ایسا نہیں ہے، اسٹالن کے طرز معاشرت سے روس پر اوسی قدر مالی بار پڑ رہا ہے جسقدر اُن زاروں کی ذات سے پڑتا تھا، جنھوں نے روس کو ایک سلطنت بنا دیا تھا، چنانچہ اُس نے اپنے رہنے کے لئے وہ محل منتخب کیا ہے، جس میں زار آیوان ہیبت ناک (IVAN THE TERRIBLE) رہا کرتا تھا،

لیکن اپنی حقیر جائے پیدایش سے زار کے محل تک پہنچنے کی راہ ایک طویل اور پر خار راہ تھی، اس راہ میں اسٹالن کو مصائب، جلاوطنی، اور قید سب ہی کا سامنا کرنا پڑا، کئی بار اُسے جلاوطن کر کے سائبریا بھیجا گیا، پہلی بار وہ ۱۹۰۴ء میں سائبریا بھیجا گیا تھا،

فروری ۱۹۱۷ء کے منشیوک انقلاب (MEN SHEVIK REVOLU-TION) کے بعد وہ قید سے رہا کیا گیا، اور اسی سال نومبر کے انقلاب میں وہ لینن کا دست راست بن گیا، ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں اُس نے مزدوروں اور کسانوں کی نمایندگی کی، اور پھر ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۳ء تک جمہوریہ روس کی انقلابی فوجی کونسل کا رکن رہا، بتدریج وہ اپنے حریفوں کو علحدہ کرتا گیا، ۱۹۲۷ء میں اُس کا سب سے بڑا مخالف ٹروٹزکی اور اس کے اٹھانوے ساتھی کمیونسٹ پارٹی سے نکالے گئے، ۱۹۲۸ء میں ٹروٹزکی وغیرہ جلاوطن کر دیئے گئے، ٹروٹزکی آج بھی بیماری اور افلاس کی حالت میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے،

اسٹالن جذبات سے بالکل معرا ہے، اپنے اوپر قابو رکھنے اور مخالف کی ہجو بلیغ کرنے میں اُسے کمال حاصل ہے، اور یہی دونوں چیزیں اُس کے خاص آلات حرب ہیں، مخالف کی قوت کو پاش پاش کر دینے

کیلئے اسٹالن کی ایک تیز نگاہ بسا اوقات کافی ہوجاتی ہے،

اسٹالن میں صبر، استقلال اور کسی ایک امر پر توجہ مبذول کرنے کے اوصاف خصوصیت کیساتھ پائے جاتے ہین، اُس میں چالاکی اور عیاری بھی ہے، جہان صاف گوئی اس کے مقصد میں معین ہوتی ہے، وہان اُس سے بڑھ کر صاف گو کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا، وہ اتنی اخلاقی جرأت بھی رکھتا ہے کہ اپنی غلطیون کا اعتراف کرلیتا ہے، یہ بات دوسرے ڈکٹیٹرون میں بہت کم پائی جاتی ہے، دولت سے اُس کو مطلق دلچسپی نہیں ہے، دوسرے سویٹ لیڈرون کی طرح وہ ایک غریب آدمی ہے، جہان تک دولت کا تعلق ہو ابتک ان میں سے کسی پر کوئی حرف نہیں آسکا، حالانکہ اگر اسٹالن چاہتا، تو روس مین کوئی ایسی دولت نہیں ہو، جو اُسے مل نہ سکتی،

(ل ط) "ع ز"

مقالاتِ شبلی جلد پنجم (تاریخی)

مولانا شبلی مرحوم کا خاص فن تاریخ تھا، انھون نے تاریخی کتابون کے علاوہ مختلف تاریخی موضوع پر بکثرت مستقل مقالات بھی لکھے تھے، جو الندوہ وغیرہ میں شائع ہوئے تھے، یہ ان مقالات کا مجموعہ ہے جو اکابر اسلام کے سوانح سے متعلق ہیں، جس میں علامہ ابن تیمیہ اور ابن رشد وغیرہ جیسے اہم مقالات کے علاوہ وہ معرکۃ الآراء مضمون بھی ہو، جسے مولانا نے انڈین میگزین اینڈ ریویو کے ایک آرٹکل کے جواب مین جو زیب النساء کی سوانح عمری کے متعلق تھا، لکھا تھا، جس میں عاقل خان رازی کے عشق و محبت کے افسانہ کی پرزور الفاظ میں تردید و تغلیط کی ہے، اور سوانح زیب النساء کے متعلق صحیح معلومات پیش کئے ہین، ضخامت ۱۴۰ صفحات، قیمت: ۸ عہ

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

آسمانون کی خبر

اب تک غبارون کے ذریعہ سے ۷۲۳۹۵ فٹ بلندی کے حالات معلوم ہوسکے ہین، اس سے اوپر فضا کی حالت ہنوز لامعلوم ہے، ماہرین سائنس کا خیال ہو کہ اس سے اوپر منجمد آکسیجن کی ایک چادر ہے، جو ہمین آفتاب کی ہلاکت خیز الٹراوایولٹ شعاعون سے محفوظ رکھتی ہے، وہان وہ غیر مرئی برقی آئینے بھی ہیں، جن سے ٹکرا کر ریڈیو کی لہرین زمین پر واپس آتی ہین، جو نشر الصوت کو ممکن بناتی ہین، بعض ماہرین سائنس کا خیال ہو کہ وہان ایک ایسی تہ ہے، جس کی حرارت کھولتے ہوئے پانی کی حرارت کے برابر ہے، جو زمین کی ہر گرم چیز سے زیادہ گرم ہے،

ان معلومات پر بعض ماہرین سائنس شبہہ ظاہر کرتے ہوئے استفسار کرتے ہیں کہ اگر یہ صورت حال ہے تو کیا اس نامعلوم حصہ کا طیارہ یا کسی اور ذریعہ سے طواف کیا جاسکتا ہے، لیکن ماہرین سائنس کے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ وہان نہ کسی طیارہ اور نہ کسی بشر کی رسائی ہوسکتی ہے، ہان، روشنی کی شعاعین اس ایک اور بلند سطح تک پہنچائی جاسکتی ہین، ہوا کے ذرات کے ذریعہ روشنی کی شعاعون میں زمین کی طرف انعکاس ہوگا، جس سے ماہرین طبعیات معلوم کرسکین گے، کہ ذرات سرد ہین یا گرم، برق شدہ ہین یا تعدیلی، آپس میں گنجلک ہیں یا علٰحدہ علٰحدہ، پانچ سال قبل ایک برطانوی ماہر طبعیات نے ثابت کیا تھا، کہ آسمانی راز روشنی کی شعاعوں کے ذریعہ آشکار کئے جاسکتے ہین، اوس نے برطانوی فوج اور بیڑے کے سینکڑون نہایت طاقتور سرچ لائٹ کو جمع کرکے اوپر فضا کے ایک خاص مقام پر روشنی ڈالنا شروع کیا، ماہرین سائنس

نے یقین طور پر دکھایا کہ معکوس روشنی رات کی آسمانی روشنی کی طرح تھی، ان لوگون کا خیال ہو کہ اگر ان شعاعون
مین "انگلی کے نشانات" دیدیے جائین، تو پھر ان کی معکوس روشنی آسانی سے پہچانی جا سکتی ہے، واشنگٹن کے
تین ماہرین سائنس نے اس قسم کی نشان زدہ شعاعیں تیار کر لی ہین، اور اب باضابطہ فوجی سرچ لائٹ
کے ذریعہ سے تجربے کئے جانے والے ہین، اور اسکی کامیابی پر مفید نتائج مترتب ہونے والے ہیں، جریدہ
سائنس سروس کے ایک مقالہ نگار کا خیال ہے کہ سائنس زیادہ سے زیادہ زمین سے ۲۰ سے ۵۰ میل تک کی
بالائی چیزون کے حالات معلوم کر سکتا ہے، لیکن سائنس کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہے، مثلاً ۱۹۳۱ء میں
ایک بلجین ماہر سائنس ایک کشتی کے ساتھ جو کہ ایک ہائی ڈروجن غبار مین آویختہ تھی، دس میل اوپر کئی گھنٹون
تک رہا، لیکن اس سے اوپر ایک روسی ہواباز کشتی لے گیا، لیکن وہ کشتی اترتے وقت ٹوٹکر بالکل برباد ہو گئی،
اور اس سے کوئی سائنٹفک معلومات فراہم نہ ہو سکے، ممالک متحدہ میں اب تک اس قسم کے کئی تجربے
کئے جا چکے ہین،

ریت کا سمندر

گذشتہ جنوری مین مسٹر کینیڈی شا کی رہنمائی میں ایک گروہ جس میں ایک خاتون بھی شریک تھین،
جنوبی لیبیا کے صحرا کے سفر مین گیا، اس گروہ نے اس صحرا مین گذشتہ زمانہ کی انسانی آبادی کے بہت سے
آثار پائے، انھون نے غارون میں اور چٹانون پر مصوری کے بعض بہترین نمونے پائے، تصویرین جن کی
تعداد بکثرت تھی، سرخ اور سفید تھین، اور ان میں انسانون اور جانورون کی شکلیں بنی تھیں، مویشی
۳۰۰۰ یا ۲۰۰۰ قبل مسیح کے زمانے کے معلوم ہوتے تھے، ان کی گردنون کے پٹے اور ڈوریون سے پتہ
چلتا ہے، کہ وہ پالتو تھے، اس صحرا میں ایک دریا بھی ہے، جو ۲۹۵ میل لمبا ہے، لیکن اسوقت بالکل
خشک ہے، انھیں حصون میں پتھر کے سینکڑون مقبرے ہین، ایک لاش کی گردن میں عقیق کے کچھ
دانے اور کمر مین سیپ تھے، اس کے علاوہ پالش کی ہوئی کلہاڑیان، اور کئی قسم کی چکیان ملین، ان

مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ اس صحرا میں انسانی آبادیان تھین، جوان مویشیون اور اوزارون کے ذریعہ
سے زراعت کا کام کیا کرتی تھین، اس صحرا کے متعلق مسٹر کینیڈی بہت ہی دلچسپ بیان دیتے ہین، اس
ریت کے سمندر کا رقبہ آئرلینڈ کے برابر ہے، اور جس طرح سمندر میں تغیر و تبدل ہوا کرتا ہے، اوس طرح
یہان بھی تغیرات محسوس ہوتے ہین، سرد دنوں میں یہ مقام اتنا خوشگوار ہو جاتا ہے، کہ اس سے دلکش
مقام شاید ہی کوئی اور ہوتا ہو، لیکن جب گرم ہوائین چلنے لگتی ہیں، تو ریت پگھل کر سیال ہونے لگتی ہے
اور موٹر مشکل سے چند گز آگے بڑھ سکتا ہے، پانی ایک سو میل کے اندر کہین نہیں دکھائی دیتا، اور پھر اس سے
بڑھکر شاید ہی کوئی ناخوشگوار مقام ہوتا ہو، صحرا کے بعض حصے بالکل صاف ہین، وہاں نہ کوئی درخت
ہے، نہ جانور اور نہ مٹی، لیکن ایک ایسا مقام بھی ہے، جہان ہم اپنے کو دو طوفانی موجون کے درمیان پاتے
ہین، اس کا پانی تھوڑی دیر تک منجمد رہتا ہے، لیکن پھر یکایک اس میں ایسی حرکت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم
کو تھپیڑون میں بہا لیجائے،

ڈائنمائٹ کا قائم مقام

سائنس کی تحقیق سے ڈائنمائٹ کی جگہ "بند ہوا" بڑی بڑی چیزون کو پاش پاش کرنے میں بے حد
مفید ثابت ہوئی ہے، خصوصاً کوئلہ کی کانون میں اس کا تصرف نہایت موثر ہوا ہے، ایک دھات کے
ظرف میں ہوا بھر دی جاتی ہے، جس کا دباؤ ۱۵۰۰۰ پونڈ ہوتا ہے، یہ ظرف کوئلون کی دو بڑی چٹانون
کے درمیان والے سوراخ مین ڈال دیا جاتا ہے، اور پھر دور سے یہ ہوا کھول دی جاتی ہے، ہوا ڈائنمائٹ
کے گیس کے مقابلہ میں کم سرعت کیساتھ پھیلتی ہے، اس لئے اس کے ذریعہ سے کوئلے چھوٹے چھوٹے ٹکڑون میں
نہیں ٹوٹتے، بلکہ کوئلے بڑے بڑے ٹکڑون میں ٹوٹ کر آہستہ آہستہ اپنی جگہوں سے حرکت کرتے ہیں، کوئلون
کے بڑے بڑے ٹکڑے تجارتی حیثیت سے مفید ثابت ہوتے ہین، یہ دھات کا ظرف مسلسل استعمال کیا جا سکتا
ہے، اس سے کان کن ان تمام خطرات سے محفوظ رہتے ہین، جو ڈائنمائٹ کے ذریعہ سے بعض اوقات

پیدا ہو جاتے ہین، لطف یہ ہے کہ ہوا بھرنے اور کھولنے مین صرف ۹۰ سکنڈ لگتے ہین،

آواز کی قوت

یوریپا کے ماہرین سائنس تجربہ کر رہے ہین کہ انسانی آواز زیادہ سے زیادہ کتنی دور تک پہنچ گئی ہے، اب تک انسانی آواز بغیر کسی آلہ کی مدد کے ڈھائی میل کے فاصلہ تک سُنی گئی ہے، لیکن یوریپا کے ماہرین سائنس نے ۷½ میل کے فاصلہ سے بھی آواز سُنی، مگر یہ واضح رہے کہ ڈھائی میل کے فاصلہ پر جو آواز سُنی گئی تھی، وہ ہوا کے ذریعہ سے پھیلی، لیکن ۷½ میل پر جو آواز سننے مین آئی وہ کانسٹینس جھیل کے پانی کی سطح کے اندر بولی گئی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی آواز پانی کے اندر زیادہ پھیل سکتی ہے،

"ض ع"

شور و غل کے خلاف نیویارک کا جدید قانون

رائے عامہ سے متاثر ہو کر نیویارک (امریکہ) نے شور و غل کے خلاف جو قانون وضع کیا تھا، اس کا نفاذ باقاعدہ طور پر یکم اکتوبر ۱۹۳۵ء سے ہو گیا، اس روز نیویارک کے میر (MAYOR) نے پولیس کو ہدایت کی، کہ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والون کی تنبیہ کرین، اور گرفتاری کے بغیر شروع میں زبانی سرزنش پر اکتفا کرین، اس قانون کے روسے موٹرون کے بگل کی آواز گیارہ بجے رات سے سات بجے صبح تک ممنوع قرار دی گئی ہے، اور لوگون کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے لاسلکی کے آلون کی آواز دھیمی کر دین، پہلے تین دنون میں ۱۷۰۴ آدمیون کو زبانی سرزنش کی گئی، اور ۹ سمن جاری کئے گئے، شور و غل کے خلاف شکایتون کی تحقیقات کے لئے ایک دفتر بھی قائم کیا گیا ہے، اس میں موٹرون کے بگل اور کتون کے بھونکنے کی شکایتیں بہت زیادہ پہنچتی رہتی ہین،

"ع ز"

ادبیات

نذرِ اخلاص

قطعۂ ذوقافیتین بہ تہنیت صحتیابی برادر مکرم علامہ سید سلیمان ندوی مدّ فیوضہم

از اقبال احمد سہیل ایم، اے (علیگ) اڈوکیٹ اعظم گڈھ،

۷ر فروری ۱۹۳۶ء کو حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کی صحتیابی کی خوشی میں شبلی منزل میں ایک مجلس دعوتِ طعام ترتیب پائی تھی، جس میں شہر کے احباب و معززین بھی شریک تھے، ہمارے شہر کے شاعر خوش نوا جناب اقبال احمد صاحب سہیل نے اسی مجلس میں چند شعر فی البدیہہ کہہ کر سنائے، اور پھر عنوان بالا سے ہمین اشاعت کے لئے عنایت فرمائے،

"سب اڈیٹر"

للّٰہ الحمد شبِ تار، بپایاں آمد،
صُبح چون طالعِ بیدار، درخشاں آمد،

از بخارِ دلِ عشاق کہ شبنم شدہ بود
لالہ را صد دُرِ شہوار، بداماں آمد،

کشت و صحرا ہمہ خرم شدہ چوں باغِ بہشت
رشحۂ ابرِ گہربار، نم افشاں آمد،

شیخ با سبحہ و سجادہ بہ مسجد بشتافت
رند با ساغرِ سرشار، بہ بُستاں آمد،

کبکِ سرمست بکہسار خراماں گردید
مُرغِ خوش لہجہ بگلزار، پرافشاں آمد،

شاہدِ لالہ زجلبابِ ورق رُخ بنمود
یوسفِ مصر بہ بازار، ز کنعاں آمد،

جعدِ سُنبل بہ پراگند چو بادِ سحری
نفحۂ نافۂ تاتار، پریشاں آمد،

سزد ار جن و پری سجدۂ شکرانہ کنند   کاندریں بزم دگر بار "سلیمان" آمد،

دیدہ از جلوۂ دیدار سعادت اندوخت   سینہ چوں عالم انوار، چراغاں آمد،

کیست در ہند کنوں جز تو کہ در بزمِ کمال   کاشفِ عقدۂ اسرار، بدنیساں آمد،

نوکِ کلکِ تو زبس لعل و گہر می پاشد   ہند را برزن و بازار، بدخشاں آمد،

مرجعِ علم و ادب ہستی ہموارہ ترا   کرمِ داورِ دادار، نگہباں آمد،

اینک از مرقدِ استاد صدا می آید،

"کہ بہار آمد و بسیار بساماں آمد" (شبلیؒ)

نذرِ تہنیت بتقریبِ صحتیابی[1]

بجناب حضرت مولانا سید سلیمان ندوی متعنا اللہ والمسلمین بطول بقائہ

(از محمد یحییٰ، اعظم گڈھ)

نسیمِ صبح گاہی عطر بیز و مشکبار آئی،   بحمد اللہ گلزارِ معارف میں بہار آئی،

رُخِ اقدس سے اک موجِ تبسم عاریت لیکر   لبِ ہر غنچہ تک موجِ صبا مستانہ وار آئی،

دعا ہائے سحر گاہی میں وہ تاثیر پنہاں تھی   اجابت بارگاہِ کبریا سے بیقرار آئی،

زبانِ سبزہ و گل پر یہی پیہم دعائیں تھیں   خوشا آں روزے کہ دیگر بہر سیرِ لالہ زار آئی،

یہی مستِ نگاہِ فیض، مشتاقانہ کہتے تھے،   زہے ساعت کہ "در بزمِ رفیقاں" جلوہ بار آئی،

خدائے دو جہاں نے آپ کو کامل شفا بخشی   بحمد اللہ موافق گردشِ لیل و نہار آئی،

عقیدت کے صحیفہ کی ابھی تکمیل کرنی تھی   بقائے ذاتِ سامی کی مشیت ذمہ دار آئی،

[1] یہ نظم جناب منشی عبد الحفیظ صاحب منتظم مطبع معارف نے کارکنانِ مطبع معارف و دفتر دار المصنفین کی جانب سے پیش کی، اور اس کی مطبوعہ کاپیاں حاضرینِ مجلس میں تقسیم کی گئیں، (معارف)

ازل سے آستاں بوسی شہنشاہِ رسالت کی   زہے قسمت کہ زیبِ خامۂ سیرت نگار آئی

زبس مطلوب تھی قدوسیوں کو آپکی صحت   بشارت لیکے شانِ رحمتِ پروردگار آئی

دوا کے ساتھ سچ یہ ہے دعاء دردمنداں بھی   نویدِ رحمتِ قدوس بن کر سازگار آئی

معالج اور بھی تھے آپ کے لیکن خوش قسمت   کہ صحت کی سعادت حاصل سعی کیدار[1] آئی

برآئی رحمتِ حق سے تمنا ملک و ملت کی   دعائے علم و عرفان باریاب و کامگار آئی

عقیدت سرورِ عالم کی خدمت علم و مذہب کی   ترے سیمائے روشن کے لئے آئینہ دار آئی

نہ تنہا فرش پر ہم خاکیوں نے التجائیں کین   دعائے نوریانِ عرش بھی بروئے کار آئی

حریمِ قدس کے پردوں سے اس تقریبِ صحت پر   صدا صلی علیٰ و مرحبا کی بار بار آئی

ہوئے پھر جلوہ آرا آپ بزمِ علم و عرفاں مین   نگاہِ شوق پھر ہر سمت سے پروانہ وار آئی

تماشا می تواں کردن بہارِ گلشنِ خود را   کنوں وقت است اے شبلی کہ بیرون از مزار آئی

بلے زیبد اگر اے ساقی خمخانۂ عرفان   کنوں از مقدمِ خود بزمِ سرمستاں بہار آئی

رہے تا دیر قائم لے خدا "ظلِ سلیمانی"   زبانِ خامہ پر اب یہ دعا بے اختیار آئی

خدا رکھے سلامت تا ابد **مسعود و سید** کو   کہ ان کی ذاتِ والا انتخابِ روزگار آئی

یہی ہیں درحقیقت باغبانِ گلشنِ شبلیؒ

ابھی آتی ہے، ان سے نکہتِ پیراہنِ شبلی،

[1] جناب ڈاکٹر کدار ناتھ صاحب گوڑ، ایم بی، بی ایس،

بابُ التقریظ والانتقاد

ہندوستانی زبان کے چند نئے رسالے

گذشتہ ماہ مین ہندوستانی زبان کے جو نئے رسالے ریویو کے لئے موصول ہوئے، وہ حسب ذیل ہین،

طلوعِ اسلام دہلی ماہانہ، مدیر جناب سید نذیر نیازی بی اے، سابق استاذ جامعہ ملیہ دہلی،

حجم ۱۱۲ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت سالانہ عہ، پتہ دفتر طلوعِ اسلام قرول باغ نئی دہلی،

یہ ایک ملی و اسلامی رسالہ ہے، جو ماہ اکتوبر ۱۹۳۵ء سے جاری ہوا ہے، اس کا افتتاح ڈاکٹر سر محمد اقبال کی ایک تازہ نظم سے کیا گیا ہی، اسکے بعد فاضل مرتب نے رسالہ کو چند مستقل عنوانات "مقالات" "مسائلِ حاضرہ" "تاریخ و سیاسیاتِ عالم" اور "بزمِ طلوعِ اسلام" وغیرہ میں تقسیم کیا ہی جنمین قابلِ قدر مضامین و مباحث پیش کئے گئے ہین، مثلاً "مقالات" میں "ملتِ اسلامیہ ہند" (مدیر) "سیاستِ معاشی" (ڈاکٹر ذاکر حسین خان) "ختم نبوت" اور "اردو ادب کی اسلامی تحریک" کے عنوانون سے مضامین ہین، مسائلِ حاضرہ مین قضیۂ شہید گنج، اور آثار ملیہ مین مسجد شاہ چراغ پر اظہار خیال کیا گیا ہی، پھر اسی طریقے سے "بین الاقوامی دنیا" "سیاسیاتِ ہند" "بلادِ اسلامیہ" "رجال و مشاہیر" اور "آثار و مقامات" کے ذیل میں پر معلومات مضامین و مباحث ہین،

رسالہ کے اجرا کا اصل مقصود مسلمانون کو اسلامی نصب العین اختیار کرنے کی دعوت دینا ہے، اسکے نزدیک اسلام کا اجتماعی نصب العین، ہندوستان کی سیاست وطنی کے جدید عمرانی تصور نیشنلزم سے یکقلم بیگانہ ہی کہ اسلام نے اپنے پیروون کو کسی جغرافی حد میں محدود نہین کیا، لیکن فاضل مرتب کو اس کا احساس ہی کہ ہندوستان مین یہ بلند نصب العین صحیح قیادت کے بغیر حاصل نہین ہوسکتا، اور جو بظاہر اسوقت مفقود ہے،

اسکے ساتھ فاضل مرتب کے نقطۂ نظر سے ملتِ اسلامیہ ہند کا قیام صرف آزاد ہندوستان ہی میں ممکن ہی اسلئے ہندوستانی مسلمانون کو آزادی کی سچی تڑپ اپنے دل میں رکھنی چاہئے، لیکن سیاستِ ہند کے ذیل میں مختلف مسائل پر جس نقطۂ نظر کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہی، افسوس کہ اسمین یہ مطمحِ نظر شامل نہیں ہی،

رسالہ میں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مسئلہ ختم نبوت بھی جو دراصل موجودہ ہندوستان میں جدید علم کلام کا ایک اہم مسئلہ ہی اسکی توجہ کا خاص مرکز ہی، چنانچہ اس موضوع پر ایک سے زیادہ متین اور سنجیدہ مضامین چھاپے گئے ہین، ہم اپنے عزیز معاصر سے مجموعی حیثیت سے ہندوستانی زبان مین ایک قابلِ قدر اسلامی رسالہ کا اضافہ ہوا ہی جسکا ہم پرجوش خیر مقدم کرتے ہین،

الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ (ماہانہ) اڈیٹر مولوی امین احسن صاحب اصلاحی، حجم ۴۶ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت سالانہ للعہ، ہر پرچہ ۶ ؍ پتہ، مدرسہ اصلاح المسلمین سرائے میر اعظم گڈھ"

مولٰنا حمید الدین فراہی علیہ الرحمۃ کے سانحۂ وفات پر جو نقوش معارف کے صفحات پر ثبت کئے گئے تھے، ان میں مرقوم تھا کہ "اواخر عمر مین مرحوم کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ وہ چند مستعد طلبہ کو اپنے مذاق کے مطابق تیار کرین ..... کہ وہ مدرسہ اصلاح المسلمین کو سنبھال لین، جو مرحوم کی سب سے بڑی مادی یادگار ہے، تفسیر کے جو اجزا مکمل ہون گے انکی اشاعت کی فکر کیجائیگی، مگر آہ اس ناقدرشناس دنیا میں ان جواہر ریزون کی کون قدر کرے گا، اور کون سرمایہ بہم پہنچائے گا"

مقامِ مسرت ہی کہ اقتباس بالا میں جس آرزو کی تکمیل کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، وہ پوری ہوئی، اور اللہ تعالی نے چند اربابِ خیر کو توفیق بخشی کہ انھون نے سرمایہ فراہم کرکے مولانائے مرحوم کے تلمیذ رشید مولوی امین احسن اصلاحی کو اس قابل بنایا کہ وہ خدا کا نام لیکر مدرسہ اصلاح المسلمین سرائے میر میں دائرۂ حمیدیہ کی داغ بیل ڈال کر مولانائے مرحوم کے اجزاے تفسیر کی اشاعت کا سامان بہم پہنچا ین، اسی کے ساتھ ایک زمانے یہ ضرورت بھی محسوس کیجا رہی تھی کہ مولانائے مرحوم کی تصنیفات کو جو زیادہ تر عربی زبان مین ہین، ہندوستانی

زبان میں منتقل کیا جائے، خوشی کی بات ہے کہ اس دیرینہ تمنا کی تکمیل کا وقت بھی آپہنچا، اور زیرِ نظر رسالہ الاصلاح جو دائرہ حمیدیہ کا ماہانہ مجلہ ہے، دراصل اسی دینی و علمی خدمت کے لئے نکلا ہے،

رسالہ کا پہلا پرچہ ماہ جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے جسمین چند مستقل عنوانات "باب التفسیر" "معارف قرآن"، "موعظہ حسنہ" "ادبیات" اور "تلخیصات" قائم کئے گئے ہین، "باب التفسیر" مین مولانائے مرحوم کی تفسیر سورہ فیل کے ہندوستانی ترجمہ کی ایک قسط چھپی ہے، "معارف قرآن" میں چند دوسرے مضامین کے علاوہ مولانا مرحوم کا ہندوستانی زبان میں لکھا ہوا ایک مضمون "ترتیب و نظم قرآن" شائع کیا گیا ہے، اور "موعظہ حسنہ" مین مولوی امین احسن صاحب اصلاحی نے "نماز" پر قرآن مجید کی تصریحات کی روشنی میں پرمغز اور موثر گفتگو کی ہے، دعا ہے کہ یہ رسالہ زندہ اور اپنے مسلک پر استوار رہ کر مسلمانون کی علمی و دینی خدمات انجام دے اور قبول عام حاصل کرے،

کلیم دہلی (مصور ماہانہ) مدیر جناب جوش ملیح آبادی حجم ۹۶ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت عہ فی پرچہ عہ، پتہ دفتر رسالہ کلیم دہلی

جناب جوش ملیح آبادی ہماری زبان کے مشہور ادیب اور شاعر ہین، اب انھون نے صحافت کے میدان میں قدم رکھا ہے، اور ان کی ادارت میں کلیم نامی ایک ادبی رسالہ جنوری ۱۹۳۶ء سے جاری ہوا ہے، ادھر کچھ دنون سے بعض ہندوستانی روزنامے موصوف کو "شاعرِ انقلاب" کے خطاب سے یاد کرتے ہین، صحیفہ کلیم سے یہ حقیقت پہلی مرتبہ آشکارا ہوئی، کہ موصوف نے بھی اس خطاب کو قبول فرمالیا ہے، چنانچہ انھون نے کلیم کے صفحات کو کوہ طور کی چوٹی قرار دیکر اسکی بلندی سے "انقلاب! انقلاب!" کی ہنگامہ خیز صدا بلند کی ہے، ان کے خیال مین "ہندوستانی زبان، ہندوستانی تہذیب، ہندوستانی معاشرت، ہندوستانی علم، ہندوستانی ادب، ہندوستانی زندگی، بلکہ یون کہنا چاہئے کہ ہندوستانی روح کو اسوقت صحیح رہنمائی اور زبردست انقلاب کی اسقدر شدید اور فوری ضرورت ہے کہ اب مزید تاخیر روا نہیں رکھی جاسکتی...... چنانچہ اسی نقطۂ نظر کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے کلیم کی بنیاد ڈالی گئی" اسکے ساتھ رسالہ کے سرِ صفحہ پر اغراض و مقاصد کی لمبی فہرست بھی چھاپی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زندگی و عمل کا شاید کوئی شعبہ اور سیاست آمیز فلسفیانہ نظریون مین سے

شاید کوئی نظریہ ایسا باقی نہ چھوڑا گیا ہو جسکی تکمیل کا ادعا اسکے مقاصد مین داخل نہ ہو، چنانچہ وہ "حکیمانہ و محققانہ مقالات کے ذریعے ہندیوں کے باسی دماغون میں کامل حریتِ فکر کی نشو و نما..... اور ہندی عقل کی اس طرح تربیت کرنا چاہتے ہین، کہ وہ "روایات و اوہام تقلید و جمود اور تعصبات و تنگ نظری کو فنا کرکے ہندوستانی ذہنیت کو اس بلند سطحِ فکر تک لے آئین، جہان سے نوعِ انسانی کی دماغی نجات کا چشمہ پھوٹتا ہے، (اور انھین تعلیم یہ دیجائے کہ انسانیت، نسل، رنگ، معاشرت، رسوم، لباس، زبان، وطن اور مذہب سب سے بالاتر ہے،" اور ایسے "عام علمی، اقتصادی، زرعی، تجارتی، اور صنعتی مضامین (شائع کئے جائین) جو اہلِ ہند کو زندگی، بیداری، خودشناسی، خودداری، آزادی، قربانی، معاملہ فہمی، اور رواداری کا درس دین اور ان کی جسمانی صحت، مردانہ سیرت، معاشرتی اصلاح **دماغی توازن** اور سیاسی تدبر و تفکر کی اہلیت پیدا کرین اور خصوصیت کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی ایسی زبردست متصل اور پیہم تبلیغ کرین کہ ہندوستان میں متحدہ قومیت کی ایسی مضبوط بنیاد پڑجائے، کہ باہمی ازدواج ہونے لگے،" پھر اسی طرح "لسانیات" "انسائیات" اور "انتقادات" وغیرہ کے متعلق بلند بانگ دعاوی ہین، پھر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انقلاب ہند کا علمبردار جو بصیرت کی نگاہون سے مستقبل میں ہندوستان کی سرزمین کو خون کے چھینٹون سے رنگین دیکھ رہا ہے، جب وقتی سیاسی مسائل پر قلم اٹھاتا ہے، تو اس حد تک کہہ جاتا ہے کہ اگر ہندو اور مسلمانون کے مناقشے طے پاجائین، تو جدید آئین ہند اس کے نزدیک قابلِ قبول ہوسکتا ہے، جسکے معنی یہ ہین، کہ اگر کمونل اوارڈ پر دونون قومون کا تصفیہ ہوجائے، تو جدید آئین ہند کامیابی سے ملک میں نافذ کیا جاسکتا ہے، ادب اور شاعری میں لائق مدیر یہ انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہین، کہ غزل گوئی کے موجودہ طریقہ کو قطعی ترک کرکے "غزل مسلسل" کا رواج دیا جائے، اس قسم کی بعض غزلین چھاپی بھی گئی ہین،

یہ اور اسی قسم کی پورے رسالہ مین پھیلی ہوئی شاعرانہ لن ترانیون سے قطع نظر کرکے اگر دیکھا جائے تو اسے ایک دلچسپ ادبی صحیفہ کہا جاسکتا ہے، رسالہ کے قابلِ ذکر مضامین مین، "مسائل حیات" کے عنوان

سے مدیر کا ایک "مولفانہ ترجمہ" ہے، جو اپنے اندر کچھ نہ کچھ ندرت رکھتا ہے، منشی پریم چند بی اے نے "قومی اتحاد کیونکر ہو سکتا ہے" کے عنوان سے ہندو مسلم اتحاد پر اظہار خیال کیا ہے، ہمین موصوف کی نیک نیتی پر پورا بھروسہ ہے لیکن اتنی کہ ہندو مہاسبھا کے خیالات کی ترجمانی کرنے والے اخبارون کے اثرات انکی تحریر مین بھی موجود ہین، پنڈت برج موہن لال دتاتریہ کیفی نے "اردو تنظیم" کے عنوان سے اسکی ترقی کیلئے چند قابل قدر اور لائق غور مشورے پیش کئے ہین، اور نواب جعفر علی خان صاحب اثر لکھنوی نے بال جبریل پر چند مطبوعہ اعتراضات کے معقول جوابات لکھے ہین، "بدحواسیان" کے عنوان سے فاضل مرتب نے ایک مزاحیہ مضمون لکھا ہے لیکن مناسب ہوتا کہ وہ اس صنف ادب کی طرف توجہ نہ فرماتے، اسی طرح چند افسانے بھی چھپے ہین، اگر کلیم کوہ طور کی بلندی سے نیچے اتر آئے، اور ہماری چلتی پھرتی دنیا میں آکر ادب کی کچھ خدمت انجام دے تو وہ ہندوستانی زبان کا ایک کارگزار خدمت گذار بن سکتا ہے، رسالہ مصور ہے جنمیں اکثر تصویرین نیم عریان ہین، "اور انقلاب انگیز"

کنول آگرہ، (مصور ماہانہ) ادارہ جناب منظر اکبرآبادی و جناب مہرلال ضیا، ایم اے حجم ۶۴ صفحے تقطیع $\frac{20\times30}{8}$ قیمت ۳ر ہر پرچہ ۵ر، پتہ:- ہینگ کی منڈی آگرہ،

یہ ایک سنجیدہ ادبی رسالہ ہے جو ماہ جون ۱۹۳۵ء سے جاری ہے، رسالہ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے اور کارآمد مضامین چھپتے ہین، "ناثرین اردو" کے مستقل عنوان سے ہندوستانی زبان کے دور حاضر کے ادیبون کے سوانح لکھے جاتے ہین، اور ان کے طرز تحریر پر رائین ظاہر کیجاتی ہین، ایک دوسرے مستقل عنوان "طرز نگارش" کے ذیل میں نومشق و نوجوان ادیبون کی تحریری غلطیان اور خامیان دکھائی جاتی ہین، رسالہ میں ناطول فرانس کے مشہور افسانہ "تائیس" کا ترجمہ باقساط چھاپا جارہا ہے، حالانکہ ہندوستانی زبان کے مشہور مترجم جناب عنایت اللہ صاحب سابق ناظم دارالترجمہ حیدرآباد اس کا عمدہ ترجمہ کرچکے ہین، اور وہ دارالاشاعت پنجاب سے شائع ہوچکا ہے، رسالہ مجموعی حیثیت سے مفید ادبی خدمت انجام دے رہا ہے، ضرورت ہے کہ اسے زندہ رکھا جائے،

ساربان لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب غلام محمد خانصاحب بی اے، حجم ۷۵ صفحے تقطیع $\frac{20\times30}{8}$

قیمت سالانہ عہ، پتہ:- اسٹریلیا بلڈنگ لاہور،

یہ رسالہ انگریزی کے سیاسی رسالون کے طرز پر ملک کی سیاسی و معاشی خدمت انجام دینے کیلئے نکلا ہے، اور متوسط تعلیم یافتہ طبقہ کے سامنے ہند و بیرون ہند کے مختلف سیاسی، معاشرتی، اور اقتصادی مسائل پر سنجیدہ مضامین چھاپتا ہے، اور ملک کی سیاسی تحریکون اور معاشرتی و اقتصادی ضرورتون پر غور و فکر کے ساتھ رائے زنی کرتا ہے، ان حیثیات سے ہندوستانی زبان میں یہ اپنی نوعیت کا منفرد رسالہ ہے، خدا کرے اسکی یہ خصوصیات قائم رہین، اور یہ ملک کی خدمت انجام دے،

ادب لکھنؤ (ماہانہ) مرتب جناب ناصری لکھنوی، حجم ۶۰ صفحے تقطیع $\frac{20\times26}{8}$ قیمت سالانہ للعہ پتہ دفتر ادب، لکھنؤ،

رسالہ ادب لکھنؤ کا ایک وقیع ادبی پرچہ تھا، جو ادھر چند سال سے بند ہوگیا تھا، اور اب جناب ناصری لکھنوی کی مساعی جمیلہ سے اسے حیات تازہ نصیب ہوئی ہے، اور ماہ نومبر ۱۹۳۵ء سے یہ دوبارہ جاری ہوگیا ہے، پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب، جو اسکے دور اول میں اسکے مدیر تھے، اور جناب سید حسن عابد صاحب جعفری سابق مدیر شمع وغیرہ کے مضامین اسکے پہلے نمبر مین شائع ہوئے ہین، اور شعرا میں لکھنؤ کے موجودہ دور کے اساتذہ، آرزو، جلیل، محشر، ثاقب، اور آثر وغیرہ کے کلام چھپے ہین، توقع ہے کہ یہ رسالہ اپنی قدیم روایت کو قائم رکھ کر ہندوستانی زبان کی مفید خدمت انجام دے گا،

مصحف، عمرآباد، (ماہانہ) ادارہ جناب شاکر نائطی، سید صبغۃ اللہ بختیاری و قاسم شریف بی اے، حجم ۵۲ صفحے تقطیع $\frac{20\times30}{8}$ قیمت سالانہ ے، پتہ عمرآباد ضلع شمالی ارکاٹ، مدراس،

یہ رسالہ جامعہ دارالسلام عمرآباد، مدراس سے ماہ اگست سے نکلنا شروع ہوا ہے، اور کامیابی کیساتھ اسوقت تک جاری ہے، یہ دراصل ہمارے ہاتھون میں ہندوستانی زبان کے ملک کی متحدہ زبان ہونے کی ایک دستاویز ہے، رسالہ صوری و معنوی دونون حیثیتون سے قابل قدر ہے، مختلف علمی، مذہبی، ادبی اور اخلاقی موضوعون

پرسنجیدہ مضامین چھپتے ہین، اور یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہو کہ اسکے لکھنے والون میں بیشتر تعداد صوبہ مدراس ہی کے صاحب قلم کی ہو جن کی تحریرین زبان اور طریق ادا کی حلاوت میں شمالی ہند کے رسالون میں چھپنے والی عام تحریرون کے مانند ہین، ہم کارکنان رسالہ کو اسکے اجرا پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہین،

کوثر بنگلور، (ماہانہ) اڈیٹر جناب محمود خانصاحب محمود بنگلوری، حجم ۳۲ صفحے، تقطیع ۲۲×۱۸
قیمت عہ سالانہ، پتہ منیجر کوثر ڈکنس روڈ، بنگلور،

جناب محمود خانصاحب محمود بنگلوری، مصنف تاریخ سلطنت خداداد میسور کی ادارت میں یہ ماہانہ رسالہ نکلا ہو، جو بنگلور کا واحد ادبی مجلہ ہو، اور جس مین میسور اور جنوبی ہند کے مضمون نگارون کے مضامین چھپتے ہین، رسالہ کے اجرا کا مقصد جنوبی ہند مین ہندوستانی زبان کی ترویج و اشاعت کی خدمت انجام دینا ہو، رسالہ کے ادبی مضامین کا پایہ ابھی کچھ زیادہ بلند نہین، اور بعض دوسرے رسالون کے مطبوعہ مضامین (مثلاً افسانہ "ایک دن میں سب کچھ") بھی بلا حوالہ اس کے صفحات پر نظر آتے ہین، لیکن مقامی معلومات سے متعلق اسکے مضامین کا حصہ قابل قدر ہے، جس سے میسور اور اسکے اطراف کے آثار، وہان کے علمی و ادبی خدمات روشنی میں آتے ہین، اس سلسلہ مین میسور کے اسلامی عہد حکومت کی نثر و نظم کی نادر کتابون کے متعلق مضامین اور انکے اقتباسات بھی چھاپے جاتے ہین، رسالہ کی قیمت اسکی ظاہری و معنوی خوبیون کے لحاظ سے بہت کم ہے، امید ہے کہ اسکی قدر کیجائیگی،

بہارستان امراوتی (ماہانہ) مدیر جناب محمد احسان اللہ خان صاحب مضطر، حجم ۳۶ صفحے،
تقطیع ۲۶×۲۰ قیمت سالانہ عہ، پتہ گورنمنٹ اردو نارمل اسکول، امراوتی، برار،

یہ گورنمنٹ اردو نارمل اسکول امراوتی (برار) کا تعلیمی و ادبی ماہنامہ ہو، یہ چند سال سے جاری ہو، ماہ دسمبر ۳۵ء سے اسکے ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہو، اور رسالہ اپنی ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے اچھے قالب میں آگیا ہو، بیشتر مضامین تعلیم و تدریس سے متعلق چھپتے ہیں، اور اچھے ہوتے ہین،

کلیم الہ آباد (ماہانہ) اڈیٹر جناب شمیم خانصاحب شاہ پوری، حجم ۴۸ صفحے، تقطیع ۳۰×۲۰ قیمت سالانہ عہ
پتہ فرینڈز لٹریری کمپنی، الہ آباد،

یہ ادبی رسالہ ماہ نومبر ۳۵ء سے جاری ہوا ہے، رسالہ مین خاص ندرت یہ رکھی گئی ہو کہ مضامین کیلئے چند مستقل عنوان منتخب کرلئے گئے ہین، جنکے صفحون کا نمبر شمار اپنی اپنی جگہ علحدہ شروع ہوتا ہو، اس طریقہ سے سال بھر میں مختلف سرخیون کے ماتحت چھپنے والے مضامین کے مجموعون سے علحدہ علحدہ کتابین تیار ہو جائین گی جن کے سرورق بھی دفتر سے مہیا کئے جائیں گے، رسالہ کا پہلا مضمون "کلام وفا رامپوری" کے عنوان سے جناب کیفی چریا کوٹی کا ہو، جسمین اونھون نے وفا کے کلام پر علم معانی کے نقطۂ نظر سے نظر ڈالی ہو، پھر "خیابستان" کے عنوان سے خیالی افسانے، "سبد گل" مین غزلیات، "مینائے فطرت" میں چند نظمیں، اور "خیابان ادب" کے ذیل مین "موسولینی" و "دور بین" اور "ڈرامہ کی چٹنی" جیسے متنوع مضامین ہین،

اورنگ میان میر، لاہور، ادارہ جناب غلام احمد مضطر ہاشمی و جناب اختر شیرانی و انعام اللہ خان صاحب ناصر، حجم ۴۰ صفحے، تقطیع ۳۰×۲۰ قیمت سالانہ للعہ، پتہ میانیر مغلپورہ، لاہور،

یہ بھی ادبی رسالہ ہو جو ماہ جون ۳۵ء سے جاری ہو، اسمین چھوٹے چھوٹے ادبی مضامین اور افسانے چھپتے ہین، افسوس کہ مضامین نہ صرف دوسرے رسالون سے بلا حوالہ منقول ہین، بلکہ دوسرون کے مضامین اپنے نام سے چھاپ لیے گئے ہین، چنانچہ جناب مسلم عظیم آبادی کی ایک نظم "بلبل اور پپیہا" شاید رسالہ ندیم گیا میں چھپی تھی، وہ بلا حوالہ نقل کیگئی ہو، اور ایک افسانہ "گناہ کی تاریکی میں نور عرفان کی جھلک" الہلال کلکتہ کے دور جدید کے کسی پرچہ سے نقل کرکے اوسے "ادارۂ اورنگ" کے نام سے چھاپا گیا ہو،

اشرف العلوم سہارنپور (ماہانہ) مدیر مولوی ظہور الحسن صاحب کولوی، حجم ۶۰ صفحے تقطیع ۲۶×۲۰ قیمت سالانہ عہ، ہر پرچہ ۳ر، پتہ:

یہ مذہبی رسالہ ہو جس میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے ملفوظات اور مواعظ و خطب التزام سے

اس طریق پر چھپتے ہین کہ سال کے آخر میں ان سے علحدہ علحدہ کتابیں تیار کر لیجاتی ہین، ان ملفوظات و مواعظ مین مختلف دینی، مذہبی، اخلاقی، اور اصلاحی مباحث بیان کئے جاتے ہیں، اور چھپنے سے پہلے مولانائے موصوف ان پر نظر ثانی فرماکر جابجا حسب ضرورت حواشی بھی ثبت فرماتے ہین،

المفتی دیوبند (ماہانہ) مدیر مولوی شبیر احمد صاحب صدیقی، حجم ۴۲ صفحے، تقطیع $\frac{20\times26}{8}$ قیمت ۱۲؍

پتہ دار الاشاعت دیوبند، ضلع سہارنپور،

دار العلوم دیوبند کے مشہور مذہبی مرکز ہونے کی وجہ سے اطرافِ ہند سے وہان استفتا آتے ہین جن کے جوابات دیئے جاتے ہین، کارکنانِ دار العلوم نے یہ مفید تجویز کی ہو کہ ان فتاوی کو ماہ بماہ شائع کر دیا جائے، اسی غرض سے یہ رسالہ المفتی جاری ہوا ہے، اس مین دو مفتی صاحبون کے علحدہ علحدہ فتاوی شائع کئے جاتے ہین، سال کے آخر مین فقہی ابواب کی ترتیب سے فہرست بھی شائع کیجائے گی، امید ہو کہ اس رسالہ سے فائدہ اٹھایا جائے گا، کہ فقہی مسائل سے مزاولت رکھنے کا یہ ایک بہتر ذریعہ ہے،

باغبان لاہور (ماہانہ) ادارہ جناب ایس ڈی ایل و جناب رحمت خان تارڑ، حجم ۴۸ صفحے تقطیع $\frac{20\times30}{8}$

قیمت سالانہ ۴؍ فی پرچہ ۴؍ پتہ بازار تیزابیان، لاہور،

یہ رسالہ زراعت و باغبانی کے معلومات فراہم کرنے کیلئے جاری ہوا ہی، زمینداروں کو اقتصادی و معاشرتی صلاح دیتا ہی، اور زراعت و باغبانی کے وسائل بتاتا ہی، اور فصلون، پودون اور سبزیون کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچاتا ہی، رسالہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے مفید اور کار آمد ہی،

اقتصادی دنیا، لاہور (ماہانہ) حجم ۴۸ صفحے، تقطیع $\frac{20\times30}{8}$ قیمت سالانہ ۲ فی پرچہ ۵؍

پتہ نمبر ۱، میکلوڈ روڈ، لاہور،

یہ رسالہ تعلیم یافتہ طبقہ کو وسائلِ معاش کی طرف متوجہ کرنے کیلئے جاری ہوا ہی، نوجوانون کو صنعت و حرفت اور تجارت کے طریقے بتاتا ہی، اور انکے متعلق مفید مشورے دیتا ہی، اور معلومات فراہم کرتا ہی، رسالہ کے مضامین کار آمد ہوتے ہین، " م "

مطبوعاتِ جدیدہ

فلسفہ تعلیم اسلام (جلد اول) از مولوی سید حمید صاحب شاہی امام مسجد جامع دہلی، ضخامت ۳۲۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۲؍، پتہ دفتر فلسفہ تعلیم اسلام، امام منزل حبش قبر دہلی

جدید علمِ کلام کی تدوین کا خیال صاحبِ نظر علماء کے سامنے مدت سے رہا ہی، اور وقتاً فوقتاً اس پر کتابیں لکھی گئی ہین، شمس العلماء مولینا سید احمد صاحب امام مسجد جامع دہلی کے خلف الصدق مولوی سید حمید صاحب نے بھی اس ضرورت کا احساس کیا، اور اس موضوع پر ایک سلسلۂ تصنیف تیار کیا، جسکی جلد اول شائع ہوئی ہو، یہ جلد مباحثِ ایمانیات پر مشتمل ہے جنمیں ائمہ متقدمین کی کتابون کے علاوہ سیرۃ و الکلام وغیرہ سے بھی مدد لی گئی ہے، لائق مصنف نے مسائل و عقائد کی تشریح کا طریقہ یہ رکھا ہے، کہ اولاً عقائد اسلامی کو عقل و فطرت کے مطابق دکھاتے ہوے ہر عقیدہ کے متعلق قرآن مجید و احادیث کے بیانات درج کئے ہین، پھر اس پر قرآن مجید کے طریقِ استدلال کو پیش کیا ہی، اسکے بعد قدیم علمِ کلام کے استدلال کی بنیادون پر گفتگو کر کے انکو دورِ جدید کی تحقیقات و انکشافات اور قابلِ فہم سائنٹفک مسائل و فلسفیانہ نظریات و بیانات کی تمثیلات سے دل نشین اندازِ بیان مین سمجھایا ہے، اس تصنیف سے ہندوستانی زبان میں اوسط درجہ کی ایک اچھی مذہبی کتاب کا اضافہ ہوا ہی، امید ہے کہ اسکی بقیہ جلدین بھی جو تیار ہو چکی ہین، جلد شائع کیجائینگی، لیکن ایک امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہو کہ کتاب کی زبان عام اردو خوان طبقہ کیلئے کسی قدر دشوار ہو گئی ہے، اصطلاحات سے تو چارہ نہین، لیکن افادۂ عام کیلئے مسائل کی تشریح مین عربی کے نامانوس الفاظ کا استعمال ترک کر دیا جائے تو مناسب ہوگا، اگرچہ معلوم ہوتا ہی کہ لکھنے کے بعد مصنف کو بھی اس کا احساس ہوا ہی، اور جابجا الفاظ کی تشریح

ہیں حواشی بڑھائے ہیں، لیکن یہ تشریحات بہ کثرت الفاظ ہیں سے محض معدودے چند کی ہوسکی ہیں، توقع ہے کہ دوسری جلدوں میں اسکا خاص طور پر لحاظ کیا جائے گا، کہ کتاب کے افادہ کے زیادہ امکانات پیدا ہون

شعرستان، از جناب سید محمود اعظم فہمی ترمذی حجم ۱۲۰ صفحات تقطیع چھوٹی، پتہ مکتبہ جامعہ دہلی قیمت ۱۲؍

یہ جناب سید محمود اعظم فہمی کے کلام کا منتخب مجموعہ ہے، جس میں مختلف اخلاقی و ادبی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں، حضرت جگر مرادآبادی نے اشارات کے عنوان سے اس مجموعہ کا تعارف لکھا ہے، اور کلام فہمی کی تحسین کی ہے،

مسلمان بیبیان مرتبہ جناب اعجاز الحق قدوسی، ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۶؍

پتہ، مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی،

یہ گویا اسوۂ صحابیات کا ایک مختصر خاکہ ہے، جو دلآویز انداز میں تیار کیا گیا ہے، اس کا مطالعہ مسلمان لڑکیوں کیلئے مفید ہوگا،

چالیس حدیثیں مرتبہ جناب خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی استاذ جامعہ ملیہ ناشر مکتبہ جامعہ دہلی ضخامت ۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۲؍

زمانہ سلف سے چہل احادیث کے مجموعے تیار کرنے کا دستور چلا آتا ہے، اس رسالہ میں جناب مؤلف نے یہ جدت کی ہے، کہ بچون کے لئے علیحدہ علیحدہ چالیس اخلاقی و معاشرتی عنوانون پر حدیثیں جمع کی ہین، اور انھیں اس نام سے موسوم کیا ہے، رسالہ بچون کے پڑھنے کے لائق ہے،

کرشن جی از جناب رئیس احمد صاحب اسلامیہ ہائی اسکول بریلی، ۱۵ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ار ناشر بچون کا کتبخانہ، نمبر ۵ کلائیو روڈ، نئی دہلی،

اسمین بچون کیلئے کرشن جی کے اجمالی سوانح آسان زبان میں لکھے گئے ہین،

"ر"

جلد ۳۷	ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۳۶ء	عدد ۳

مضامین